دارالاسلام اور دارالحرب

معنے و مفہوم

اور

مختلف نظریات

ملک سیف الرحمٰن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

تمہید

دارالحرب اور جہاد سے متعلق دو اہم نظریئے اس وقت مسلمانوں میں مروّج ہیں۔

1۔ (الف) **ایک نظریہ** ہے کہ ہر غیر مسلم ملک جہاں کافروں کی حکومت ہے وہ دارالحرب ہے یعنی مسلمانوں کی حکومت اُس ملک سے بالقوّہ یا بالفعل برسرِ پیکار ہے اور اس سے جنگ کرنا مسلمانوں کا فرض ہے۔

(ب) جہاد اُس جنگ کا نام ہے جو اسلام کی اشاعت اور اس کو بزورِ شمشیر پھیلانے کے لئے لڑی جائے اور اسلام اسی جہاد کو فرض قرار دیتا ہے اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔

2۔ (الف) **دوسرا نظریہ** ہے کہ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اور وہ اپنی پاک تعلیمات کے ذریعہ پھیلا ہے۔ وہ اپنے ساتھ ایسے دلائل و براہین، پاک تاثیرات اور معجزات رکھتا ہے۔ اور ایسے اخلاق پر زور دیتا ہے جو غیر معمولی قوّتِ جاذبہ کے حامل ہیں اور یہی عوامل اُس کی وسیع اشاعت کے ضامن ہیں۔ اسلام کو اپنے پھیلاؤ کے لئے نہ تلوار کی ضرورت ہے اور نہ وہ اس کا روادار ہے۔

(ب) دارالحرب وہ غیر مسلم ملک اور اُس کی حکومت ہے جو ''محض مذہبی اختلاف'' کی بناء پر مسلمانوں سے جنگ کرے اور حملہ میں پہل کرے یا جو مسلمان اُس کے ملک میں رہتے ہیں اُنہیں صرف دینی اختلاف کی وجہ سے ظلم وستم کا نشانہ بنائے ان کے بنیادی انسانی

حقوق غصب کرے۔ نہ انہیں اپنے ملک میں رہنے دے اور نہ ہی ہجرت کرنے دے یا ان کی ہجرت کے لئے کوئی صورت نہ بنے۔ ایسے غیر مسلم ملک سے لڑنا ایک اسلامی حکومت کا اوّلین فرض ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کے دو معنے

(ج) جہاد فی سبیل اللہ کے دو معنے ہیں۔

(i) جہاد فی سبیل اللہ کے ایک معنے یہ ہیں کہ نیکی اور اسلام کی اشاعت کے لئے ہر پرامن ذریعہ استعمال کیا جائے۔ اس کے لئے مقدور بھر کوشش کی جائے۔ اسلام کے احکام پر خود بھی عمل کیا جائے اور ذاتی نمونہ پیش کر کے دوسروں کو بھی اسلامی احکام پر چلنے کی تلقین کی جائے۔

(ii) جہاد فی سبیل اللہ کے دوسرے معنے یہ ہیں کہ جو لوگ محض دینی اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں سے لڑتے ہیں۔ ان پر ظلم کرتے ہیں۔ انہیں قتل کرتے ہیں۔ ان کے مال لوٹتے ہیں اور ان کو ان کے گھروں سے نکالتے ہیں۔ ان کے اس جبر کے خلاف اور مذہبی آزادی کے لئے لڑا جائے۔

اس دفاعی جنگ کی ایک شرط یہ ہے کہ یہ جنگ ہر طرح کی ممکن تیاری کے بعد لڑی جائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ایک واجب الاطاعت امام کی سرکردگی میں لڑی جائے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ ایسی ظالم غیر مسلم حکومت کو جنگ شروع کرنے سے پہلے امن وصلح سے رہنے یا اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔ اسی کوشش کا عربی نام **جهاد بالسيف يا قتال في سبيل الله باموالكم وانفسكم** ہے۔

دارالحرب اور جہاد کے بارہ میں ان دو اہم نظریوں میں سے کس نظریئے کی قرآن و حدیث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ تائید کرتے ہیں یا ان کی تفصیلات کیا اور دلائل کیا ہیں؟ اس مقالہ میں انہی حقائق سے پردہ اُٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ **والتوفيق**

من اللّٰه و اللّٰه یهدی من یشاء الی صراطٍ مستقیمٍ۔

نوٹ: اس مقالہ کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں پہلے نظریئے کے دلائل اور تفصیلات پر بحث ہوگی اور حسبِ گنجائش کچھ تبصرہ بھی ہوگا۔ اور دوسرے حصہ میں دوسرے نظریہ کے دلائل اور براہین زیرِ بحث آئیں گے اور تفاصیل پیش کی جائیں گی۔

والسلام

خاکسار

ملک سیف الرحمٰن

10 ؍جنوری 1989ء

پہلا نقطۂ نظر

دار الحرب

دارالحرب اور جہاد کے بارہ میں ایک نظریہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دنیا دو حصوں میں بٹ گئی۔ دنیا کا ایک حصہ دارالاسلام کہلایا جہاں شریعت اسلامیہ کے تحت مسلمانوں کی حکومت ہے۔ دنیا کے دوسرے حصہ کو دارالحرب کا نام دیا گیا جس کے معنے یہ کئے گئے کہ دنیا کا وہ حصہ جہاں غیر مسلموں کی حکومت ہے اور طاغوتی نظام رائج ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ دنیا کے اس کافرانہ نظام رکھنے والے حصہ پر حملہ آور ہوں اور بزورِ شمشیر اسے فتح کر کے وہاں اسلامی شریعت کا نظام رائج کریں۔

بنو اُمیہ کے عہدِ حکومت تک بعض فقہاء کا نظریہ یہ تھا کہ غیر مسلموں سے جنگ میں پہل نہ کی جائے صرف تبلیغ کے ذریعہ انہیں مسلمان بنانے کی کوشش کی جائے۔ ہاں اگر غیر مسلم مسلمانوں پر حملہ آور ہوں اور جنگ میں پہل کریں تو دفاعی جنگ کی اجازت ہے اس سلسلہ میں امام ثوریؒ کا نام بالصراحت مذکور ہے۔ (1)

بنو عباس اور بعد کے زمانہ کے فقہاء نے جو کتابیں لکھیں ان میں ایک انقلابِ عظیم نظر آتا ہے۔ ان کے نزدیک قرآن کریم کی وہ آیات جن میں یہ ذکر ہے کہ دین میں جبر نہیں یا تم جنگ میں پہل نہ کرو اور صرف اُس صورت میں تلوار ہاتھ میں لو جب دشمن تم پر حملہ آور ہو وہ سب منسوخ ہو چکی ہیں۔ اور ان کو منسوخ کرنے والی قرآن کریم کی وہ آیات ہیں جن

(1)۔(البنایہ فی شرح الهدایہ المشھور عینی شرح ہدایہ جلد دوم صفحہ 790 المکتبۃ الامدادیہ، سعودی عرب)
(المبسوط از امام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی جلد اول صفحہ 1197 تا 1200 کتاب السیر ، بیت الافکار الدولیۃ، اردن 2009ء)

میں یہ حکم ہے کہ ''مشرکین کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو'' اور اُن لوگوں سے لڑو جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے۔ اس طرح اسلام کے منکروں کو کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیا جائے بلکہ ان کو مجبور کیا جائے کہ یا تو وہ اسلام قبول کر کے مسلمانوں میں شامل ہو جائیں یا شکست تسلیم کر کے جزیہ اور خراج دینا قبول کریں۔ ''فقہاء'' کے نزدیک اس صورت حال کی تاریخی تدریج یوں ہے۔

فقہاء کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تدریجی مؤقف

بعثت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ جو کلامِ الٰہی نازل کیا گیا ہے اُس کو اپنے تک محدود رکھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد ارشاد ہوا کہ اپنے گھر والوں اور قریبی دوستوں کو کلامِ الٰہی سنائیں۔ اس کے بعد آپ کو حکم دیا گیا کہ یہ وحی دوسرے عام لوگوں کو بھی بتائیں ۔کوئی مانے یہ نہ مانے اُس کی مرضی ہے۔ اس قسم کی تبلیغ کے نتیجہ میں جب لوگوں کی مخالفت بڑھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر اور حوصلہ دکھانے کی تلقین ہوئی۔ پھر جب مخالفت نے تشدّد اور جارحیت کی صورت اختیار کی اور یہ تشدّد مسلمانوں کی برداشت سے باہر ہو گیا تو انہیں مکہ چھوڑنے اور وہاں سے ہجرت کر جانے کی ہدایت ہوئی۔ پہلے بعض مسلمانوں نے عرب سے ملحقہ ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ سے نکل آئے اور مدینہ آ بسے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت ملی کہ اگر اب بھی کفار پیچھا کریں اور مدینہ پر حملہ آور ہوں تو مسلمانوں کو بھی مقابلہ کرنے کی اجازت ہے۔ اس طرح کفارِ مکہ سے بالخصوص اور عرب کے دوسرے علاقوں سے بالعموم آپ کی جنگیں شروع ہو گئیں۔ ان جنگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح نصیب ہوئی اور مکہ اور عرب کے بعض علاقے آپ کے زیرِ نگیں آ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اب کمزوری

دکھانے یا نرمی اختیار کرنے کا کوئی سوال نہیں۔ساری دنیا کو چیلنج دے دیا جائے کہ اسلام قبول کرواور اگر یہ منظور نہیں تو شکست تسلیم کر کے اسلامی حکومت کے ماتحت آ جاؤ اور جزیہ اور خراج ادا کرو۔ اگر یہ دونوں باتیں منظور نہیں تو پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔تلوار ہمارے اورتمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔اسی کا نام جہاد فی سبیل اللہ یا مقدس جنگ ہے۔

غرض اس طرح دنیا دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ دنیا کا وہ حصہ جہاں اسلام کی حکومت ہے اور مسلمان حکمران ہیں اس کا نام دارالاسلام رکھا گیا۔اور دنیا کا وہ حصہ جہاں کافرانہ نظام رائج ہے اور وہاں غیر مسلم حکمران ہیں اس کا نام دارالحرب قرار پایا یعنی دنیا کے وہ ملک جن سے جنگ لڑنا اور فتح حاصل کر کے وہاں زبردستی اسلام کی حکومت قائم کرنا دارالاسلام یعنی مسلمانوں کی حکومت کا فرض ہے۔

چنانچہ پانچویں صدی کے فقیہہ اور حنفی مسلکِ فکر کے مشہور امام علامہ شمس الدین السرخسی المتوفی 483ھ اپنی کتاب المبسوط (1) میں لکھتے ہیں:

”و قد کان رسول اللّٰہ ﷺ مأمورًا فی الابتداء بالصَّفح والاعراض عن المشرکین قال اللّٰہ تعالٰی فاصفحِ الصَّفح الجمیل۔ وقال تعالٰی واعرضِ عن المشرکین ثم اُمر بالدعاء الی الدین بالوعظ والمجادلة بالاحسن فقال تعالٰی اُدع الی

(1)۔یہ کتاب تیس جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور ایک لحاظ سے فقہ کا مستند ترین دائرۃُ المعارف ہے۔اس مضمون میں زیادہ تر حوالے اس کتاب سے لئے گئے ہیں۔ایسا سہولت کی غرض سے کیا گیا ہے ورنہ فقہ کی ہر مستند کتاب میں دارالحرب کے بارہ میں یہی کہانی ملے گی۔حنفیوں کے نزدیک بعض مسائل میں پھر بھی کچھ نرمی ہے ورنہ شافعیوں کے نزدیک تو اور بھی سختی ہے۔ان کے خیال میں دارالحرب سے نہ کسی قسم کی تجارت جائز ہے نہ کسی قسم کی مصالحت کی گنجائش۔

(المبسوط از امام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی جلد اول صفحہ 1210 کتاب السیر ، بیت الافکار الدولیۃ ، اردن 2009ء)۔ (المبسوط از امام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی جلد اول صفحہ 1247 کتاب السیر باب صلح الملوک ......، بیت الافکار الدولیۃ ، اردن 2009ء)۔(المبسوط از امام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی جلد اول صفحہ 1263 کتاب السیر باب المرتدین، بیت الافکار الدولیۃ ، اردن 2009ء)

سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة و جادلھم بالّتی ھی احسن ثم اُمر بالقتالِ اذا کان البِدایةُ مِنھم فقال تعالٰی اُذن للّذین یقاتلون بانّھم ظلموا...... وقال تعالٰی فان قاتلوکم فاقتلوھم۔ وقال تعالٰی و ان جنحوا للسَّلم فاجنح لھا۔ ثم اُمر بالبدایة بالقتال فقال تعالٰی وقاتلوھم حتی لا تکون فتنة وقال تعالٰی فاقتلوا المشرکین حیث وجد تموھم وقال رسول اللّٰہ ﷺ اُمِرت ان اقاتل النَّاس حتی یقولوا لا الہ اِلاَّ اللّٰہ ...... فاستقر الاَمر علی فرضیة الجھاد مع المشرکین وھو فرض قائم الٰی قیام الساعة قال النبی ﷺ الجھاد ماضٍ منذ بعثنی اللّٰہ تعالٰی الٰی ان یقاتل آخر عصابةٍ من امتی الدَّجَّال وقال ﷺ بُعِثْتُ بِالسیف بَین یدی الساعة۔ وجُعِلَ رزقی تحت ظلِّ رُمحی والذِّلُّ والصِّغار علٰی مَن خالفنی۔"(1)

عینی شرح ہدایہ میں بھی قریباً یہی تاریخی تدریج لکھی ہے۔البتہ آخرالذکر دونوں حدیثوں کوضعیف قرار دیا ہے۔

یعنی شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوحکم تھا کہ کافروں اورمشرکوں کونظر انداز کئے رکھیں۔انہیں کلام الٰہی نہ سنائیں۔جیسا کہ قرآن کریم کاارشادہے کہ بڑی عمدگی سے مشرکین کو ٹالیں اوران سے صرفِ نظرکریں۔پھرآپ کوحکم ہوا کہ وعظ ونصیحت اورعمدہ رنگ میں بحث و مباحثہ کے ذریعہ اللہ کے راستہ کی طرف لوگوں کو بلائیں۔پھرحکم ہوا کہ اگرمخالفین اورکفار کی طرف سے حملہ میں پہل ہوتوتم بھی اس کے جواب میں لڑ سکتے ہوجیسا کہ فرمایا مسلمانوں کو جن سے جنگ کی جاتی ہے مقابلہ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ ان پرظلم کیا گیا ہے۔نیزفرمایااگروہ تم سے لڑیں توتم بھی ان سے لڑو۔پھرفرمایااگروہ صلح کی طرف مائل ہوں توتم بھی اس کی طرف جھکواور صلح کی پیشکش قبول کرلو۔پھرحکم ہوا کہ تم جنگ میں پہل کرو(اگر وہ تم پرحملہ آورنہ بھی ہوں توبھی تم ان پرحملہ کردو)۔جیسا کہ فرمایا جہاں بھی تم مشرکوں کو پاؤ

(1)۔المبسوط ازامام ابوبکرمحمد بن ابی سہل سرخسی جلداول صفحہ 1197 کتاب السیر، بیت الافکارالدولیة،اردن2009ء

ان کو قتل کرو۔ اور ان سے جنگ کرو تا آنکہ فتنہ (1) کا خاتمہ ہو جائے۔ اور سارا دین اللہ کا ہو جائے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مَیں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ ماننے لگیں کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ اس طرح یہ اُصول مستحکم اور پکا ہو گیا کہ مشرکین اور کفار سے جہاد بالسیف تا قیامت فرض ہے۔ چنانچہ ایک اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب سے مَیں مبعوث ہوا ہوں اس وقت سے جہاد فرض ہے اور یہ اس وقت تک فرض رہے گا جب کہ میری اُمت کی ایک جماعت دجال سے جنگ لڑے گی۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مَیں قیامت سے پہلے تلوار لے کر مبعوث ہوا ہوں اور میرا رزق میرے نیزہ کے سایہ میں مقدر ہے اور ذلت اور رسوائی میرے مخالفوں کا نصیبہ ہے۔ (2)

پھر آگے چل کر امام سرخسی لکھتے ہیں:۔

" فاقتلوا المشركين حيث وجد تموهم ۔ فبهذا تبيّن انَّ قتل المشركِ عند التمكن منه فرض محكم ۔"(3)

یعنی مشرک جب بھی قابو میں آ جائے اُسے قتل کر دینا فرض ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔

عینی شرح ہدایہ جو حنفی مذہب کی دوسری مستند کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ:۔

"الجهاد شرعًا هو الداعى الى الدين الحق والقتال مع من لا يقبله ...... وقتال الكفار

(1)۔ فقہاء "فتنہ" کے معنے شرک کرتے ہیں۔
(2)۔ دیکھئے البنایہ فی شرح الہدیہ المشہور عینی شرح ہدایہ جلد دوم صفحہ 789-788 کتاب السیر، المکتبۃ الامدادیہ، سعودی عرب
(3)۔ (المبسوط از امام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی جلد اول صفحہ 1274 کتاب السیر، باب آخر فی الغنیمۃ، بیت الافکار الدولیۃ، اردن 2009ء)

واجب ...... وان لم يبدونا...... للعمومات الواردة فی ذالک من الآية والاخبار لقوله تعالی اقتلوا المشركين وقولهٖ وقاتلوا ای الكفر وقوله عليه الصلوٰة والسلام الجهاد ماضٍ الی يوم القيامة وقوله عليه السلام امرت ان اقاتل الناس حتی يقولوا لآ اله الاَّ اللّٰه۔ فان قيل العمومات مُتَعارِضَةٌ فقوله تعالٰی فان قاتلوكم فاقتلوهم وهٰذا يدلُّ علی انّ قتالهم انما يجب اذا بدونا بالقتالِ كما قاله الثَوری (لايجوز قتالهم حتی يبدونا) واُجيب بانه منسُوُخٌ بقوله وقاتلوهم حتی لاتكون فتنةً وبقوله وقاتلوا الَّذين لا يؤمنون باللّٰه الآية۔" (1)

یعنی شرعی لحاظ سے جہاد کے معنے یہ ہیں کہ دین حق کی طرف دعوت دی جائے (لوگوں کو اسلام قبول کرنے کے لئے کہا جائے) اور جو اس دعوت کو قبول نہ کرے اس سے جنگ کی جائے (اور زبردستی منوایا جائے)... آگے چل کر علامہ عینی لکھتے ہیں ... کفار سے جنگ کرنا واجب ہے اگرچہ کفار کی طرف سے ابتداء نہ ہو کیوں کہ اس بارہ میں متعدد آیات ہیں جو عام ہیں مثلاً فرمایا مشرکین کو قتل کرو اور جو ایمان نہیں لاتے انہیں مار ڈالو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جہاد تا قیامت جاری ہے۔ نیز فرمایا مجھے حکم دیا گیا کہ مَیں لوگوں سے جنگ کروں تا آنکہ وہ لا الہ الا اللہ ماننے پر آمادہ ہو جائیں۔ (2)

اگر یہ اعتراض ہو کہ ایسی آیات بھی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کفار سے اُس وقت لڑنے کی اجازت ہے جب کہ وہ لڑائی میں پہل کریں (اور مسلمان پر محض اُن کے دین کی وجہ سے حملہ آور ہوں) جیسا کہ امام ثوری ؒ کا مسلک ہے۔ تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی آیات منسوخ ہو چکی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ پس ان سے لڑو یہاں تک فتنہ نہ رہے۔ نیز فرمایا اور ان سے لڑو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔

"فتاویٰ عالمگیریہ" ہندوستان کے مشہور بادشاہ اورنگ زیب کے زمانے میں مرتب

(1)۔ البنایہ فی شرح الہدایہ المشہور عینی شرح ہدایہ جلد دوم صفحہ 788 تا 790 کتاب السیر، المکتبۃ الامدادیہ، سعودی عرب
(2)۔ اس قسم کے استدلال پر تبصرہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ہوا۔اس میں جہاداوردارالحرب کے بارہ میں لکھا ہے۔

” قتال الکفار الذین لم یسلموا و ھم من مشرکی العرب او لم یسلموا ولم یعطوا الجزیۃ من غیرھم واجب و ان لم یبدؤونا۔ کذا فی فتح القدیر۔“(1)

یعنی عرب کے مشرکین اگر مسلمان نہ ہوں تو ان سے جنگ لڑکران کو قتل کرنا واجب ہے اورعرب کے علاوہ دوسرے مما لک کے جو مشرک اور کفار ہیں اگر وہ مسلمان نہ ہوں اور نہ ہی جزیہ دیں تو ان سے جنگ کرنا اوران کو قتل کرنا بھی واجب ہے۔

یہ تو حنفی مسلک فکر کا ذکر ہے۔دوسرے مذاہب مثلاً مالکی شافعی اور حنبلی ،تو اُن کے نزدیک بھی دارالحرب اور جہاد کے بارہ میں قریباً قریباً یہی نظریہ ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا نظریہ

اس نظریہ کا عکس اس زمانہ کے بعض ”دانشوروں“ کے ہاں بھی ملتا ہے۔چنانچہ پاکستان کے دینی دانشور مولانا مودودی اپنی کتاب ’الجہاد فی الاسلام‘ میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک عرب کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔وعظ و تلقین کا جو مؤثر سے مؤثر انداز ہوسکتا تھا اُسے اختیار کیا۔مضبوط دلائل دیئے۔واضح حجتیں پیش کیں۔فصاحت و بلاغت اور زور خطابت سے دلوں کو گرمایا۔اللہ کی جانب سے محیرالعقول معجزے دکھائے۔اپنے اخلاق اوراپنی پاک زندگی سے نیکی کا بہترین نمونہ پیش کیا اورکوئی ذریعہ ایسا نہ چھوڑا جو حق کے اظہار واثبات کے لئے مفید ہوسکتا تھا۔لیکن آپؐ کی قوم نے آفتاب کی طرح آپؐ کی صداقت کے روشن ہوجانے کے باوجود آپؐ کی

(1)۔الفتاویٰ الہندیہ المعروفۃ بالفتاوی العالمکیریۃ جلد دوم صفحہ 209 کتاب السیر الباب الاول فی تفسیرہ شرعا وشرطہ وحکمہ دارالکتب العلمیۃ بیروت 2000ء

دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا...... لیکن جب وعظ و تلقین کی ناکامی کے بعد داعی اسلام نے ہاتھ میں تلوار لی...... تو دلوں سے رفتہ رفتہ بدی اور شرارت کا زنگ چھوٹنے لگا۔ طبیعتوں سے فاسد مادے خود بخود نکل گئے۔ روحوں کی کثافتیں دور ہو گئیں اور یہی نہیں کہ آنکھوں سے پردہ ہٹ کر حق کا نور صاف عیاں ہو گیا بلکہ گردنوں میں وہ سختی اور سروں میں وہ نخوت باقی نہ رہی جو ظہورِ حق کے بعد انسان کو اس کے آگے جھکنے سے باز رکھتی ہے۔

عرب کی طرح دوسرے ممالک نے بھی جو اسلام کو اس سرعت سے قبول کیا کہ ایک صدی کے اندر چوتھائی دنیا مسلمان ہو گئی تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ اسلام کی تلوار نے اُن پردوں کو چاک کر دیا جو دلوں پر پڑے ہوئے تھے۔"(1)

پھر اسی سلسلہ کے ایک اور مضمون میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"یہی پالیسی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے عمل کیا۔ عرب جہاں مسلم پارٹی پیدا ہوئی تھی سب سے پہلے اسی کو اسلامی حکومت کے زیر نگین کیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف کے ممالک کو اپنے اُصول و مسلک کی طرف دعوت دی مگر اس کا انتظار نہ کیا کہ یہ دعوت قبول کی جاتی ہے یا نہیں بلکہ قوّت حاصل کرتے ہی رومی سلطنت سے تصادم شروع کر دیا۔ آنحضرتؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ پارٹی کے لیڈر ہوئے تو انہوں نے روم اور ایران دونوں کی غیر اسلامی حکومت پر حملہ کیا اور حضرت عمر نے اس حملہ کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچا دیا۔"(2)

نوٹ: جہاد کے بارہ میں مولانا مودودی کے نظریات پر بہترین تبصرہ کے لئے کتاب "مذہب کے نام پر خون" (مصنفہ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمدؒ) کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

(1)۔ الجہاد فی الاسلام از ابوالاعلیٰ مودودی صفحہ 174-173 مطبع ادارہ ترجمان القرآن لاہور 2009ء

(2)۔ حقیقت جہاد صفحہ 65 از ابوالاعلیٰ مودودی مطبع تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور 1946ء

دارالحرب اور جہاد کے بارہ میں ’’عام علماء‘‘ کا مسلک

دارالحرب اور جہاد کے اس نظریہ کے بارہ میں ’’عام علماء‘‘ کے مسلک کے متعلق 1953ء کے فسادات کی تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ (المعروف بہ منیر انکوائری رپورٹ۔ مطبوعہ، نیاز مانہ پبلیکیشنز 14 بی ٹیمپل روڈ لاہور) میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

’’اسلامی مملکت دارالاسلام ہے یعنی وہ ملک جس میں اسلام کے احکام نافذ ہوں اور جس کا حاکم مسلمان ہو۔ دارالاسلام کے باشندے مسلمان بھی ہوتے ہیں اور وہ غیر مسلم بھی جنہوں نے مسلم اقتدار کے سامنے گردن اطاعت جھکا دی ہو اور جن کو مملکت اسلامی نے بعض قیود کے ماتحت اور شہریت کاملہ حاصل ہونے کے امکان کے بغیر ان کے جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دے دی ہو لیکن ان کا اہل کتاب ہونا ضروری ہے۔ وہ بت پرست ہرگز نہ ہوں۔ مملکت اسلام نظریاتی اعتبار سے اپنے ہمسایہ غیر مسلم ملک سے دائمی برسر جنگ رہتی ہے کیونکہ ممکن ہے وہ کسی وقت دارالحرب بن جائے۔......‘‘

عدالت نے یہ پہلو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے ذیل کے خیالات ظاہر کئے۔

’’سوال: جو ملک دارالاسلام کی سرحد پر واقع ہے کیا وہ ایک اسلامی مملکت کے مقابلہ میں ہمیشہ دارالحرب کی حیثیت رکھتا ہے؟

جواب: جی نہیں۔ اگر دونوں کے درمیان کوئی مصالحت کا معاہدہ موجود نہ ہو تو اسلامی مملکت بالقوۃ اپنے غیر مسلم ہمسایہ ملک سے برسرِ جنگ رہے گی۔ کوئی غیر مسلم ملک صرف اسی صورت میں دارالحرب کی حیثیت اختیار کرتا ہے جب اسلامی مملکت اس کے خلاف رسمی حیثیت سے اعلانِ جنگ کر دے۔‘‘

تحقیقاتی عدالت علماء کے نظریہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتی ہے:

''مسلمان کی زندگی میں سب سے بڑی سرگرمی یہ ہے کہ وہ دلیل و برہان کی مدد سے اور جہاں ضروری ہو وہاں قوت سے کام لے کر اسلام کو پھیلائے تا آنکہ وہ عالمگیر مذہب بن جائے۔''(1)

مختصر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں جہاد کے متعلق مندرجہ ذیل مختصر مقالہ درج ہے۔

جہاد۔ مقدس جنگ۔ اسلحہ کے زور سے اسلام کی اشاعت مسلمانوں کا علی العموم مذہبی فریضہ ہے...... مسلمان اس موقف پر تدریجی طور پر لیکن سرعت کے ساتھ پہنچ گئے ...... جہاد اس وقت تک جاری رہنا چاہیئے جب تک پوری دنیا اسلام کے زیرِ نگیں نہ ہو جائے...... جن لوگوں کے خلاف جہاد کرنا مقصود ہو ان کو سب سے پہلے قبولِ اسلام کی دعوت دینی چاہیئے۔ اگر وہ انکار کریں تو پھر ان سے یہ کہنا چاہیئے کہ وہ مسلم حکومت کے آگے سر جھکا دیں ذمی بن جائیں۔ جزیہ اور خراج دیں اور اگر یہ بھی نہ مانیں تو جنگ کر لیں۔ پہلی حالت میں ان کی جانیں اور ان کے خاندان اور ان کا مال بالکل محفوظ رہیں گے۔ لیکن ان کی حیثیت ادنیٰ ہوگی۔ انہیں شہریت کے اصطلاحی حقوق حاصل نہ ہوں گے... اگر وہ جنگ کریں گے تو وہ اور ان کے افراد خاندان غلام بنا لئے جائیں گے۔ ان کے مال پر بطور غنیمت قبضہ کر لیا جائے گا......(2)

عام طور پر مسلمہ رائے یہ ہے کہ سورۃ توبہ کی پانچویں آیت (فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ) نے ان مکی آیات کو منسوخ کر دیا ہے جن میں صرف دفاع کے لئے کفار کے

(1)۔ منیر انکوائری رپوٹ صفحہ 346-345 مطبوعہ نیاز زمانہ پبلیکیشنز لاہور

(2)۔ Shorter Encyclopaedia Of Islam by H. A. R. Gibb and J. H. Kramers
Page: 89 Under Word: Djihad, Printed in the Netherlands, 1961

خلاف قتال کی اجازت دی گئی تھی۔ (1)

مختصر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ سے اور بعض دوسری پیش شدہ تحریرات سے جن میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی کتابیں بھی شامل ہیں عقیدۂ جہاد کے متعلق جو کچھ معلوم ہوا اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ اسلام اسلحہ اور فتوحات کے زور سے پھیلا ہے۔

''اب جارحیت اور نسل کُشی انسانیت کے خلاف جرائم قرار پا چکے ہیں ...... ایک طرف جارحیت اور نسل کُشی کے جرائم ہیں اور دوسری طرف یہ عقیدہ کہ اسلام بزورِ شمشیر اور بزورِ فتوحات پھیلا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان دونوں میں فرق کیا ہے۔''(2)

بہرحال یہی نظریات اور رجحانات تھے جن کی بنیاد پر تیسری صدی اور بعد کے فقہاء نے دارالاسلام اور دارالحرب کی اصطلاحوں کو رواج دیا۔

دارالحرب کے مسائل

اس سلسلہ میں فقہاء کے سامنے یہ سوال بھی آیا کہ دارالحرب کے ''مسائل'' کیا ہیں؟ اس سوال کا جو جواب دیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

ا۔ دارالحرب (یعنی غیر مسلم حکومتوں) سے جنگ جاری رکھنا اور ان پر حملے کرتے رہنا مسلمانوں کی حکومت کا فرض ہے البتہ حملہ کرنے سے پہلے قبولِ اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک دعوت دینے کا یہ حکم بھی منسوخ ہو چکا ہے اس لئے اچانک حملہ کی بھی اجازت ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو مصطلق پر اچانک حملہ کیا تھا۔ امام سرخسی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

(1)۔ایسی مدنی آیات بھی ہیں جن میں صرف دفاع کی صورت میں جنگ کی اجازت دی گئی ہے مثلاً البقرہ 195، الممتحنہ 10,9

(2)۔منیر انکوائری رپوٹ صفحہ 350-349 مطوعہ نیاز مانہ پبلیکیشنز لاہور

''لَا بَأْسَ اَن یُّغِیرُوْا عَلَیۡھِمۡ لَیۡلًا اَو نھارًا بغیر دعوةٍ لما روی انَّ النبی ﷺ اَغار علٰی بنی المصطلق و ھم غَارُوۡنَ۔''(1)

یعنی دعوتِ اسلام دیئے بغیر اچانک حملہ کرنے کی بھی اجازت ہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق پر ان کی بے خبری میں حملہ کیا تھا۔

2۔ دارالحرب (غیر مسلم ممالک) سے مستقل اور دائمی صلح کی اجازت نہیں۔البتہ اگر مصالحت میں مسلمانوں کا واضح مفاد ہو مثلاً غیر مسلم دشمن زیادہ طاقتور ہو اور مسلم حکومت تیاری کا موقع حاصل کرنا چاہتی ہو تو ''محدود'' مدت کے لئے صلح کا معاہدہ جائز ہے۔بعض فقہاء کے نزدیک یہ مدت دس سال سے متجاوز نہیں ہونی چاہئیے۔ یہ تحریر صلح حدیبیہ کے معاہدے پر مبنی ہے جو دس سال کے لئے تھا۔(2)

3۔ دارالحرب کے باشندے مباح الدم اور ان کے اموال مباح الاخذ ہیں۔ چنانچہ شمس الائمہ السرخسی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

الف۔ '' ولِلْامام ان یقتل الرجال من الاَساریٰ ولہ ان یَسۡتبقیھم و یُقَسِّمَھم بین الجند...... لان الاسیر ما لم یقسم الامام مباح الدم بدلیل ان للامام ان یقتلہ و قتل مباح الدم لا یوجب ضمانہ۔''(3)

ایک جگہ آگے چل کر امام سرخسی لکھتے ہیں:۔

'' فاقتلوا المشرکین حیث وجد تموھم ۔ فبھذا تبیّن انَّ قتل المشرکِ عند التمکن

(1)۔المبسوط از امام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی جلد اول صفحہ 1212 کتاب السیر باب معاملۃ الجیش مع الکفار، بیت الافکار الدولیۃ، اردن 2009ء

(2)۔البنایہ فی شرح الہدایہ المشہور عینی شرح ہدایہ جلد دوم صفحہ 800 المکتبۃ الامدادیہ، سعودی عرب

(3)۔المبسوط از امام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی جلد اول صفحہ 1231 کتاب السیر باب ما اصیب فی الغنیمۃ ...... بیت الافکار الدولیۃ، اردن 2009ء

منه فرض محكم ۔"(1)

یعنی مسلم سربراہ مملکت کو اختیار ہے کہ جنگی قیدیوں کو قتل کردے یا انہیں زندہ رکھ کر فوجیوں میں (بطور غلام) تقسیم کردے۔ چونکہ ایسے قیدی مباح الدّم ہوتے ہیں اس لئے امام المسلمین کے علاوہ بھی اگر کوئی دوسرا مسلمان بھی کسی جنگی قیدی کو قتل کردے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ نہ اس سے قصاص لیا جائے گا اور نہ ہی دیت ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

عرب کے مشرک اگر مسلمان نہ ہوں تو ان کو قتل کردینا فرض ہے زندہ رکھ کر غلام بنانا جائز نہیں۔ البتہ ان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو غلام بنانا جائز ہے۔ اس حکم میں کوئی استثنا نہیں۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے مشرکوں کو جہاں بھی پاؤ قتل کردو۔

ب۔ دارالحرب کے باشندوں کے اموال کے بارہ میں امام سرخسی لکھتے ہیں:۔

" لان ماله مباح فللمسلم ان يأخذهٗ بِاَىِّ وجهٍ يَقْدِرُ عليه ...... فانّ للمسلمين ان ياخذوه باَىِّ طريقٍ يتمكّنُون من ذالک۔"(2)

یعنی دارالحرب کے لوگوں کے اموال مباح الاخذ ہوتے ہیں اس لئے جس طریق سے بھی کوئی مسلمان اس مال پر قبضہ کرنا چاہے کرسکتا ہے۔

4۔ سوائے اشد مجبوری کے جہاد میں کفار سے مدد نہ لی جائے۔ مجبوری کی بات دوسری ہے۔ بوقت ضرورت تو کتوں سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔

"والاستعانة بهم كالاستعانة بِالكلاب۔"

(1)۔(المبسوط از امام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی جلد اول صفحہ 1274 کتاب السیر، باب آخر فی الغنیمۃ، بیت الافکار الدولیۃ، اردن 2009ء)

(2)۔(المبسوط از امام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی جلد اول صفحہ 1207 کتاب السیر، بیت الافکار الدولیۃ، اردن 2009ء)۔(المبسوط از امام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی جلد اول صفحہ 1274 کتاب السیر، باب آخر فی الغنیمۃ، بیت الافکار الدولیۃ، اردن 2009ء)

(3)۔المبسوط از امام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی جلد اول صفحہ 1208 کتاب السیر، بیت الافکار الدولیۃ، اردن 2009ء

5۔ اسیران جنگ اگر مسلمان نہ ہوں تو ان کو قتل کر دیا جائے یا غلام بنالیا جائے۔ احسان کر کے چھوڑنے یا فدیہ اور تاوان جنگ لینے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ آیت **اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَاءً**(**محمد:48**) منسوخ ہو چکی ہے اسے قرآن کریم کی دوسری آیت **فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ**(التوبة:5) نے منسوخ کیا ہے۔

6۔ جو غیر مسلم ذمی بن کر اسلامی حکومت میں رہائش رکھیں اور جزیہ ادا کریں ان کے جان و مال تو محفوظ ہوں گے۔ حسن بصری اور عطاء اس آیت کو منسوخ نہیں مانتے اور نہ اسیرانِ جنگ کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک عام جنگی قیدیوں کو یا تو احسان کر کے چھوڑ دینا چاہئے یا فدیہ لے لیا جائے۔ امام سرخسی اس بارہ میں لکھتے ہیں:۔

" ولسنا ناخذ بقولهما فان حكم المن والمفاداة بالمال قد انتسخ بقوله تعالٰى فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم۔"(1)

لیکن ان کی توہین اور تذلیل میں کمی نہیں آنی چاہئیے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ وہ اس زندگی سے تنگ آ کر اسلام قبول کرنے کے لئے سوچنے پر مجبور ہوں۔ تذلیل کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر کوئی ذمی اپنا جزیہ کسی کے ہاتھ بھجوائے تو قبول نہ کیا جائے بلکہ اس کو مجبور کیا جائے کہ وہ اصالتہً خود آ کر جزیہ پیش کرے۔ وہ کھڑا ہو اور وصول کرنے والا محصل بیٹھا ہو۔ بعض کے نزدیک یہ بھی مناسب ہے کہ محصل اُس کے گلے سے پکڑے یا داڑھی پکڑ کر کھینچے اور کہے **اعطِ الجزية يا عدوَ اللّٰه** یا یہ الفاظ کہے **اعط الجزية يا ذِمّی**۔(2)

چنانچہ امام سرخسی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

" وَ لِاَنَّ اَخْذ الجزية منهم بطريق الصغار...... ولهٰذا لا تقبل منه لو بَعَثها على يد نائبه

(1)۔ المبسوط از امام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی جلد اول صفحہ 1209 کتاب السیر، بیت الافکار الدولیۃ، اردن 2009ء

(2)۔ ماخوذ از بحر الرائق شرح کنز الدقائق از شیخ زین الدین جزء خامس صفحہ 112 کتاب السیر باب العشر والخراج مطبوعہ المکتبہ الماجدیہ کوئٹہ پاکستان

بل يُكلَّف بِاَن يأتى به بنفسه فيعطى قائمًا و القابض منه قاعدٌ۔

وفـى روايـة يـأخذ بتَلبيبهٖ فَيُهُزّه هزًّا ويَقُول: اعط الجزية يا ذمِيُّ ...... ولان المقصود ليـس هـو الـمـال بـل الـمـقـصـود استذلالُ الكافِرِ واستصغاره لان اصراره على الشرک فى دارالتوحيد جنايةٌ فلا ينفک عن صغار يجرى عليه۔"(1)

یعنی ذمیوں سے جزیہ وصول کرتے وقت اہانت کا سلوک کرنا واجب ہے اسی لئے اگر وہ اپنا جزیہ اپنے کسی نائب کے ذریعہ بھجوائے تو قبول نہ کیا جائے اور اُسے مجبور کیا جائے کہ وہ خود حاضر ہو کر پیش کرے۔ادائیگی کے وقت وہ کھڑا رہے اور وصول کرنے والا بیٹھا ہوا ہو۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ وصولی کرنے والا اُسے گریبان (یا داڑھی) سے پکڑ کر جھنجھوڑے اور کہے اے (ذلیل) ذمی جزیہ ادا کرو۔کیونکہ جزیہ عائد کرنے کا مقصد مال حاصل کرنا نہیں بلکہ کافر کو رسوا کرنا اور اُسے ذلیل کرنا ہے۔دارالتوحید میں شرک بہت بڑا جرم ہے اس کی سزا اُسے ملنی چاہئے۔(2)

دارالحرب اور جہاد کے متعلق فقہاء اور مولانا مودودی کے نظریات پر تبصرہ

قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیّبہ اور آپ کے اسوۂ حسنہ نیز صحابہ کرام کے طرز عمل کا مجموعی اور یکجائی مطالعہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ دارالحرب اور جہاد کے متعلق مذکورہ نظریات سراسر بے بنیاد ہیں۔کیونکہ یہ مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام نے صرف ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی ہے جو:

(1)۔المبسوط از امام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی جلد اول صفحہ 1242-1241 کتاب السیر باب فی توظیف الخراج، بیت الافکار الدولیۃ، اردن 2009ء

(2)۔ذمیوں کے بارہ میں اسلام کے منصفانہ احکام کے لئے دیکھیں خاکسار (ملک سیف الرحمٰن) کی کتاب ''اسلام اور غیر مسلم رعایا''۔مطبوعہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ

الف۔ دینی اختلاف کی وجہ سے لڑنے اور مرنے مارنے پر تیار رہتے ہیں اور حملہ میں پہل کرتے ہیں۔

ب۔ یہ لوگ ظلم وستم میں حد سے بڑھ جاتے ہیں اور دین و مذہب کی آزادی سلب کرنے اور اُس کی تبلیغ کرنے سے بزورِ شمشیر روکنے کے درپے رہتے ہیں۔

تفصیل مقالہ کے دوسرے حصہ میں پیش کی جارہی ہے۔ اس وقت یہاں صرف مولانا مودودی کے نظریہ کے بارہ میں کچھ کہنا مناسب ہوگا۔

مولانا نے الفاظ کا جادو جگانے کی کوشش کی ہے۔لیکن الفاظ کا جادو حقائق کے جادو کا سامنا نہیں کرسکتا۔ مولانا کا یہ بیان کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سال کی تبلیغی کوششیں ناکام اور غیر مؤثر رہیں تب لائق توجہ ہوتا اگر واقعات یہ ہوتے کہ مکّہ والے آپ کی تبلیغ کو ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے نکال دیتے۔آپ کے دلائل اور آپ کے وعظ کو کوئی اہمیت نہ دیتے۔ نہ مخالفت کرتے نہ تشدد سے کام لیتے۔ نہ مسلمانوں کو تنگ کرتے نہ ان کے قتل کے درپے ہوتے نہ ان کے مال لوٹتے نہ درپے آبرو ہوتے۔غرض کسی قسم کا ردِّ عمل ظاہر نہ کرتے اور اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) غصہ میں آکر تلوار ہاتھ میں لے کر کفار کے دلوں کے اس زنگ کو اُتارنے کی کوشش کرتے اور ان کی اکڑی ہوئی گردنوں سے نخوت اور استکبار کے جراثیم نکال باہر کرتے۔ حالانکہ واقعات یہ نہیں ہیں۔ واقعات یہ ہیں کہ کفارِ مکہ آپ ؐ کی تبلیغ اور آپ کے وعظ کے اثر کو دیکھ کر آپے سے باہر ہوگئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کرنے اور کلامِ الٰہی پہنچانے سے روکنے کے لئے ہر جتن کیا۔آپ ؐ پر سختی کی، بائیکاٹ کیا، (1)

(1)۔ چنانچہ ابن ہشام لکھتے ہیں۔ ”فلمّا رأت قریش ان اصحاب رسول اللّٰہ ﷺ قد نزلوا بلدًا اصابوا بہٖ امنًا وقرارًا...... وجعل الاسلام یفشو فی القبائل اجتمعوا وائتمروا............ (باقی اگلے صفحہ پر)

لوگوں کوآپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننے سے روکا۔کسی کو کہا کہ جادوگر ہے اس کا کلام سنو گے تو تم پر جادو ہو جائے گا،اس کے دلائل کے سامنے تم شکست کھا جاؤ گے،اس لئے اس کلام کو سننے سے بچو۔اورکسی کوڈرایا دھمکایا۔اور جنہوں نے ان کی بات کو نہ مانا اور آپ ؐ کی باتیں سنیں اور حق قبول کیا اُن پر طرح طرح کے ستم ڈھائے۔بعض کو قتل کیا بعض کے مال لوٹے۔بعض کو مارا پیٹا۔غرض ہر طرح سے سختی کی پھر بھی مسلمان دن بدن بڑھتے گئے۔ مختلف قبائل میں اسلام پھیلنے لگا۔لوگ آتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنتے۔کلام الٰہی کا اثر لیتے اور گرویدہ ہو جاتے۔آخر کفار مکہ اتنے مشتعل ہوئے کہ پہلے بائیکاٹ کا معاہدہ لکھا اور اُسے خانہ کعبہ میں لٹکایا۔سختی میں حد سے بڑھنے لگے۔آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔لیکن وہاں بھی ان کا پیچھا کیا گیا۔ناکام ہوئے تو اشتعال میں اور بڑھ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مکہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کو اس قدر تنگ کیا اور ان پر اتنی سختیاں کیں کہ وہ بھی باذنِ الٰہی مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔پھر وہاں بھی ان کو چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا۔پہلے ماردھاڑ کرنے والے چھاپہ مار بھیجے۔پھر مدینہ پر باقاعدہ حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔(1) بدر، اُحد اور احزاب کی جنگیں مدینہ جا کر لڑیں۔پھر بھی مولانا کہتے ہیں کہ تبلیغ کی ناکامی اور غیر اثر پذیر دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ میں تلوار لے لی۔اور بزورِ شمشیر دنیا کو منوایا کہ اسلام سچا مذہب ہے اسے مانو ورنہ مٹنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

یہ کیسی زیادتی ہے۔قرآن کریم اور تاریخ سے کس قدر صرفِ نظر ہے قرآن کہتا ہے کہ

(بینهم) اَن یکتبوا کتاب یتعاقدون فیه ...... علٰی ان لا ینکحوا الیهم ولا ینکحوهم ولا یبیعوهم شیئًا ولا یبتاعوا منهم ۔'' السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 256 خبر الصحیفۃ ،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت 2001ء۔

(1)۔چنانچہ ابوسفیان جو تجارتی قافلہ لے کر شام گئے۔اس کے متعلق طے تھا کہ اس کا سارا منافع مدینہ پر حملہ کرنے کے سلسلہ میں خرچ ہوگا۔(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 521 غزوۃ احد ،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت 2001ء۔

دین میں جبر نہیں۔ ہدایت اور ضلالت کھل کر سامنے آ گئی ہیں۔ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ(البقرة: 157) کے الفاظ میں وضاحت موجود ہے۔ مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (الكهف: 30) میں انسان کو اختیار مل چکا ہے کہ جس کی مرضی ہے مانے جس کی مرضی ہے نہ مانے۔

اس کے ساتھ ہی تاریخ بتاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ، آپ کا وعظ اور آپ کا اُسوہ اتنا حسین اور اتنا مؤثر تھا کہ دھڑ ادھڑ لوگ مسلمان ہونے لگے اور کفّار کا چین ختم ہو گیا۔ انہیں اپنی سرداری خطرہ میں پڑتی نظر آئی اور یہ فکر لگ گئی کہ آپ ؐ کی تبلیغ اور آپ کے وعظ کو نہ روکا گیا تو اسلام غالب آ جائے گا۔ مسلمان ترقی کر جائیں گے اور کفار کا کچھ بھی باقی نہ رہے گا اس طرح کفار نے اپنی غلط سوچ کے ناطے مشتعل ہو کر مسلمانوں پر وہ وہ ظلم ڈھائے کہ انسانیت چیخ اُٹھی، شرافت دُہائی دینے لگی۔ اس سب کچھ کے باوجود مولانا مودودی کہتے ہیں کہ آپ کی تبلیغ ''ناکام'' ہوئی اور آپ کی تلوار کامیاب رہی اور تلوار کے زور سے آپ ؐ نے اسلام کو پھیلایا۔

قدیم فقہاء یہ تو مانتے ہیں کہ پہلے حکمت وموعظہ، وعظ ونصیحت اور تبلیغ وتلقین کا حکم تھا۔ کفار کی طرف سے مخالفت اور تشدّد کا سامنا ہوا تو صبر وحوصلہ جرأت وثبات کی ہدایت آئی۔ مخالفوں کی طرف سے جب تشدّد حد سے بڑھا اور حالات ناقابل برداشت ہو گئے تو اجازت ملی کہ اگر کفار کی طرف سے جنگ اور حملہ میں پہل ہو تو مسلمان ان کا مقابلہ کریں۔ یہ سب ہدایتیں قرآن کریم میں موجود ہیں بلکہ یہ بھی ذکر ہے کہ کفار نے حملہ میں پہل کی ہے۔ فرمان ہے: وَهُمْ بَدَؤُوكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ(التوبة:13)۔ کہ حملہ میں پہل انہوں نے کی۔ یہ سب کچھ قدیم فقہاء مانتے ہیں۔ لیکن پھر ان کا کہنا ہے کہ یہ آیات اور ان کے یہ احکام منسوخ ہو چکے ہیں۔ اور اب مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ کفار کی طرف سے ابتدا ہونے پر تم ان سے

لڑنے کے پابند ہو۔اس لئے کہ قرآن کا فرمان ہے **فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ** (التوبة:5) لیکن قرآن کریم کی یہ تفسیر درست نہیں۔ یہ اُصول تفسیر کے بھی خلاف ہے اوراس آیت کے سیاق وسباق سے بھی لگا نہیں کھاتی۔تفسیر کا یہ ایک مسلمہ اُصول ہے کہ کسی آیت کی تفسیر قرآن کی دوسری متعلقہ آیات کی روشنی میں کی جائے کیونکہ **اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا** کی شکل میں نازل ہوا ہے۔دوسرا اُصول تفسیر یہ ہے کہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے یہ حقیقت مدنظر رہنی چاہیے کہ قرآن کریم میں نہ کوئی اختلاف ہے اور نہ کوئی تضاد۔نہ کوئی تعارض ہے اور نہ کوئی تقابل بلکہ ہر آیت اپنی اپنی جگہ محکم اور مستقل ہے۔لیکن جہاد سے متعلقہ آیات کی تفسیر میں ان دونوں اُصولوں کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔

مثلاً آیت **فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ** سورۃ توبہ کی آیت 5 کا ایک حصہ ہے، مستقل آیت نہیں۔کیونکہ یہ پوری آیت اوراس سے پہلی اور بعد کی متعلقہ آیات یوں ہیں:

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍo اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَo فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ **فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ** وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَo كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَo كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً يُّرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَo اشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ

اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَo لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَo فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَo وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْـمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَo اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

(التوبة: 3 تا 13)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں میں حج اکبر کے دن یہ اعلانِ (عام) کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ان مشرکوں سے بری الذمہ ہیں...... ہاں جن مشرکوں سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے پھر انہوں نے تم سے کئے ہوئے معاہدہ کو نہیں توڑا اور تمہارے خلاف کسی کی مدد نہیں کی تم ان کے معاہدہ کو مدتِ معاہدہ تک نباہو۔ یقیناً اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔ پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں بھی پاؤ قتل کردو اور ان کو گرفتار کرلو اور ان کا محاصرہ کرلو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کو پکڑنے کے لئے بیٹھو (غرض جس طرح بھی ہو سکے ان کو قابو میں لاؤ) ہاں اگر وہ توبہ کرلیں۔ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ کھول دو (ان کو جانے دو، کچھ نہ کہو) اللہ یقیناً بڑا بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ اور اگر ان مشرکوں سے بھی کوئی تجھ سے امان چاہے تو اس کو امان دے دو تا کہ وہ اللہ کا کلام سن سکے پھر اس کو اس کی امن کی جگہ (ٹھکانے) تک پہنچاؤ کیونکہ یہ ایسی قوم ہے جو حقیقت کو نہیں جانتی (اس لئے حقیقت جاننے کا اس کو موقع دیا جائے)۔ یہ (غداری کے عادی) مشرک کس طرح اللہ اور اُس کے رسول سے کئے ہوئے معاہدہ کو نباہ سکتے ہیں (یہ تو پکے معاہدہ شکن ہیں) ہاں وہ (مشرک) جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا (اور انہوں نے وہ معاہدہ نہیں توڑا) پس تم بھی معاہدہ پر قائم رہو جب تک وہ قائم رہتے ہیں۔ اللہ یقیناً متقیوں کو پسند کرتا ہے۔ باقی اس طرح کے (غدار) مشرکین کو کیسے

رعایت دی جاسکتی ہے (جن کا حال یہ ہے کہ وہ ہر معاہدہ شکن ہیں اور) اگر وہ (کسی طرح) تم پر غالب آجائیں تو نہ تمہاری کسی رشتہ داری کی پرواہ کریں اور نہ کسی عہد کی۔ وہ (بڑے غیر ذمہ دار ہیں اور) تم کو اپنے منہ کی باتوں سے خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ان کے دل انکار کرتے ہیں (دل میں تمہارا بغض بھرا ہے)۔ ان میں سے اکثر عہدو پیمان کو توڑنے والے ہیں (اور بدعہدی کے عادی ہیں)... اور اگر یہ لوگ (تمہارے سامنے کھائی گئی) اپنی قسموں (اور اپنے معاہدوں) کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعنہ زنی کریں تو ایسے سردارانِ کفر سے جنگ کرو کیونکہ ان کی قَسموں کا کوئی اعتبار نہیں (ان سے جنگ اس لئے ضروری ہے کہ) شاید وہ باز آجائیں (اپنی شرارتوں سے رُک جائیں)۔ اے مومنو! کیا تم اس قوم سے نہیں لڑو گے جنھوں نے اپنی قسمیں توڑیں (اور اپنے معاہدوں کا پاس نہیں کیا) اور اس رسول کو اس کے گھر سے نکالنے کا فیصلہ کیا اور تم سے جنگ چھیڑنے میں پہل کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

ایک ہی مضمون پر مبنی ان آیات میں مندرجہ ذیل امور کی وضاحت ملتی ہے۔

1۔ یہ آیات ایسے مشرکوں کے بارہ میں ہیں جو ایک ''خاص تاریخ'' رکھتے ہیں۔ ہر مشرک کے بارہ میں یہ احکام نہیں۔

2۔ ان آیات میں مذکور ایک قسم اُن مشرکوں کی ہے جو ''خاص جنگی جرائم'' میں ملوث نہیں اور موقع ملنے پر انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ امن کے معاہدے کئے اور پھر ان معاہدوں کو نبھایا دل میں کسی قسم کا کھوٹ نہیں رکھا۔ ایسے مشرکوں کے بارہ میں حکم ہے کہ جب تک وہ اپنے عہدوں اور قسموں پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو۔ اور ان کے آڑے نہ آؤ۔

3۔ ان آیات میں مذکور دوسری قسم ان مشرکوں کی ہے جنہوں نے محض دین میں

اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں پر تشدّد کیا۔ انہیں اور ان کے رسول کو گھروں سے نکالا۔ اُن سے جنگ کرنے میں پہل کی۔ پھر اگر مجبور ہو کر امن کے معاہدے کئے تو موقع ملنے پر ان کو توڑ دیا۔ منہ میں کچھ اور دل میں کچھ اور رکھا۔ زبان سے مسلمانوں کو خوش کرنے کی کوشش کی اور دل میں بغض بھرا رہا اور موقع ملنے پر نہ رشتہ داری کا پاس کیا اور نہ معاہدوں اور قسموں کا خیال رکھا۔ غداری اور سینہ زوری ان کا وطیرہ رہا۔ ایسے مشرکوں کے بارہ میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جس وقت بھی موقع ملے ان کی طاقت پر کاری ضرب لگاؤ۔ ان کی قوت کو توڑ کر رکھ دو۔ قتل کرنا پڑے تو قتل کرو۔ گرفتار کر سکو تو گرفتار کر لو۔ محاصرہ کر کے ان کا دانہ پانی بند کرنے کی ضرورت ہو تو یہ بھی کرو۔ غرض ہر طرح سے ان کو گھیرے میں لے آؤ۔ اب ان ساری آیات کو نظر انداز کرتے ہوئے ان میں سے ایک آیت کے اس ٹکڑے کو لے کر اور اس کو آگے پیچھے سے کاٹ کر اس کے یہ معنے کرنا کہ اس میں دنیا بھر کے مشرکوں کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ اور اس نے ان ساری آیات کو منسوخ کر دیا ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ دین میں جبر نہیں۔ ہر ایک جو دین چاہے رکھے۔ جو چاہے مانے اور جو چاہے انکار کرے۔ ہر ایک اپنے اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ مسلمان کافروں کے اعمال سے بری الذّمہ ہیں اور کافر مسلمانوں کے اعمال سے بری الذمہ ہیں۔ جنگ میں پہل نہ کرو۔ صرف ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں ۔تم مصیطر نہیں ہو۔ غرض اتنی ساری آیات ایک آیت کے ٹکڑے نے منسوخ کر دیں۔ یہ قرآن کریم کے ساتھ زیادتی نہیں تو اور کیا ہے۔

پھر اس آیت کا پہلا حصہ یہ ہے کہ جب حرمت والے مہینے (یعنی ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں بھی پاؤ قتل کرو۔ اگر یہ حکم عام تھا تو پھر اس شرط کی کیا ضرورت تھی۔

پھر اس ٹکڑے کے بعد اس آیت میں یہ بھی ذکر ہے کہ انہیں گرفتار کر لو۔ انہیں محاصرہ

میں لے لو۔اگر قتل کرنے کا حکم عام ہے تو اس کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے کہ انہیں گرفتار کرلو۔ ان کا محاصرہ کرلو۔کیا قتل کرنے کے بعد گرفتار کرنے یا محاصرہ کرنے کے کچھ معنے رہ جاتے ہیں۔

پھر اس آیت سے پہلی آیات میں اور بعد کی آیات میں یہ ذکر ہے کہ جو مشرک اپنی قَسموں پر قائم ہیں، انہوں نے معاہدہ کونہیں توڑا اُن سے تعرّض نہ کرو۔اس استثناء کا اس ٹکڑے میں کہاں ذکر ہے۔اس میں تو یہ حکم ہے کہ مشرکوں کو جہاں بھی پاؤ قتل کردو۔

اس سے پہلی آیت میں یہ ذکر بھی ہے کہ اگر کوئی مشرک اسلام کی تعلیم سمجھنے کے لئے دلچسپی کا اظہار کرے اور پناہ مانگے تو اسے اس کا موقع دیا جائے۔کیا اس ٹکڑے نے اس آیت کو بھی منسوخ کر دیا ہے؟

غرض اس ساری بحث سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم:

الف۔ عام نہیں بلکہ خاص جنگی مجرموں سے متعلق یہ حکم ہے۔

ب۔ اس میں بھی اگر کوئی توبہ کرلے یا اسلام کی تعلیم میں دلچسپی کا اظہار کرے اور اس میں شرارت سے باز رہنے کے آثار نظر آئیں تو ایسے جنگی مجرموں کو رعایت دینے کے بارہ میں بھی سوچا جائے۔

جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر جن گیارہ شدید ترین معاندین اور جنگی مجرموں کے بارہ میں یہ اعلان کیا کہ وہ جہاں بھی ملیں ان کو قتل کر دیا جائے ۔جب ان گیارہ میں سے سات نے ندامت کا اظہار کیا تو انہیں آپ ؐ نے کھلے دل سے معاف فرما دیا۔

پھر آیت نمبر 5 کے اس ٹکڑے میں، اگر اسے سیاق وسباق سے الگ کر دیا جائے، تو علی الاطلاق حکم ہے کہ مشرکوں کو جہاں بھی پاؤ قتل کردو۔پس اگر یہ استدلال عام ہے تو پھر فقہاء

نے یہ فرق کہاں سے نکال لیا کہ یہ عرب کے مشرکین کے لئے حکم ہے کہ مشرکین کو قتل کی بجائے غلام بھی بنایا جا سکتا ہے۔ اُن سے جزیہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس حکم میں تو ایسا کوئی استثناء نہیں۔

غرض عقل اور نقل سیاق وسباق، تاریخ اور اُصول تفسیر ہر لحاظ سے اس آیت سے یہ استدلال کرنا کہ اس میں ہر مشرک کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ صرف غلط ہے بلکہ اسلام کے نام کو بدنام کرنے والا دعویٰ ہے۔

❁......دوسری آیت جس کو یہ فقہاء اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کرتے ہیں اور اُسے ناسخ مانتے ہیں یہ ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔

(التوبة:29)

یعنی اُن اہل کتاب سے بھی جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر اور نہ اُن باتوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ سچے دین کو اختیار کرتے ہیں ہاں اگر وہ (اپنی شکست کو تسلیم کرلیں اور) جزیہ ادا کرنے پر راضی ہو جائیں تو پھر ان سے لڑنے کی ضرورت نہیں۔

اس آیت سے استدلال یہ ہے کہ اس میں اُن اہل کتاب سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جو اسلام قبول نہیں کرتے اور نہ شکست تسلیم کر کے جزیہ اور خراج ادا کرتے ہیں۔ گویا علی الا طلاق جنگ کرنے کا حکم ہے۔

لیکن فقہاء نے حسبِ عادت نہ اس آیت کے سیاق وسباق کو دیکھا ہے اور نہ قرآن کریم کی دوسری آیات پر غور کیا اور بغیر یہ سوچے اسے عام سمجھ کر اس پر اپنے نظریہ کی بنیاد رکھی۔

اگر ہم اس آیت کے سیاق وسباق کو دیکھیں اور قرآن کریم کی دوسری آیات کو مدِ نظر رکھ کر اس آیت کو سمجھنے کی کوشش کریں تو یہ تعیین کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آنی چاہئے کہ اس جگہ مدینہ اور اِرد گرد کے ان اہل کتاب کا ذکر ہے جنہوں نے مسلمانوں سے معاہدے کر کے ان کو توڑا۔ مسلمانوں کو بار بار دھوکا دیا۔ ان میں باہمی خلفشار اور نقار پھیلانے کی کوشش کی۔ مدینہ پر حملہ کرنے والے کفار کی مدد کی۔ سارے عرب میں پراپیگنڈہ کر کے اور انہیں مشتعل کر کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے اکسایا اور جنگ کا باعث بنے اور معاہدہ ہونے کے باوجود احزاب والوں سے ساز باز کی اور مسلمانوں کی پیٹھ میں چھُرا گھونپنے کی کوشش کی۔ ایسے اہل کتاب کے بارہ میں حکم ہوا کہ انہیں ان کے جرائم کی سزا دی جائے اور ان کی شرارتوں کا قلع قمع کیا جائے۔

ہر حکم کے ساتھ اُس کے سارے اسباب کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ ایک جگہ اُصول واسباب بیان کر دیئے جاتے ہیں۔ اور پھر اہل دانش پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ ہر موقع پر ان اسباب واُصول کو مدِ نظر رکھ کر بات سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

مذکورہ آیت جنگی احکام کے بیان کے تسلسل میں وارد ہوئی ہے اس سے پہلے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 28 میں ان مشرکوں کا ذکر ہے جنہوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے میں پہل کی۔ طرح طرح کے جنگی جرائم کے مرتکب ہوئے اور مسلمانوں کو ان کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس ضمن میں ان اہل کتاب کا بھی ذکر آیا ہے جن کے جنگی جرائم مشرکین کے جرائم سے کم نہ تھے۔ اس لئے ان سے بھی وہی سلوک روا رکھنے کا ارشاد ہوا جو سلوک مجرم مشرکین سے روا رکھا جا رہا تھا۔

اہل کتاب سے جنگ لڑنے کا قرآن کریم میں کئی جگہ ذکر آیا ہے اور تاریخ بتاتی ہے کہ ان جنگوں کے اسباب کیا تھے۔ مثلاً سورۃ الحشر میں انہی اہل کتاب کے ذکر میں فرمایا:

هُوَ الَّذِيٓ اَخۡرَجَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ دِيَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ...... ذٰلِكَ

بِـاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ......لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَo (الحشر:3-15)

ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:

وہ خدا جس نے ان (شریر) اہلِ کتاب کو پہلی جنگ میں گھروں سے نکالا (اور جلاوطن کیا)۔...... یہ (سزا ان کو اس لئے ملی اور ایسا) اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت پر (کمر باندھ رکھی تھی اور اس پر) اصرار کرتے رہے...... وہ اکٹھے ہو کر تم سے (کھلے میدان میں) کبھی نہیں لڑیں گے بلکہ مضبوط قلعوں میں بیٹھ کر یا فصیل کے پیچھے رہ کر (لڑیں گے) اگرچہ وہ آپس میں خوب بڑیں ہانکتے ہیں (یہاں تک کہ) تو سمجھتا ہے کہ وہ متحد اور اکٹھے ہیں (مگر) ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ ایک بے عقل قوم (کا حصہ) ہیں۔

پھر سورۃ احزاب میں ایسے شریر اہلِ کتاب کا ذکر یوں کیا:

وَاَنْـزَلَ الَّـذِيْـنَ ظَاهَـرُوْهُـمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا o (الاحزاب:27)

ترجمہ:۔اور اُس (اللہ) نے ان اہلِ کتاب کو جنہوں نے اُن (حملہ آور مشرکوں) کی مدد کی تھی اپنے قلعوں سے نکلنے پر مجبور کیا اور ان کے دلوں میں رعب داخل کر دیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک حصہ کو قتل کرنا اور ایک حصہ کو گرفتار کر کے قید کرنا تمہارے لئے ممکن (اور آسان) ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ ان آیات میں اُن اہلِ کتاب کا ذکر ہے جن کی مخالفت کی ''ایک لمبی تاریخ'' ہے۔ عام اہلِ کتاب اس سے مراد نہیں۔ بلکہ وہ اہلِ کتاب مراد ہیں جو مسلمانوں کے لئے بار بار خطرہ بنے۔ مسلمانوں پر حملے کئے۔ ایسے اہلِ کتاب سے جنگ لڑنے کے لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے۔ اور سورۃ توبہ کی آیت نمبر 29 میں بھی اسی حکم کا ذکر ہے نہ کہ

ہر اہلِ کتاب پر حملہ آور ہونے کے لئے اکسایا گیا ہے۔

اس بات کی ایک اور دلیل کہ سورۃ توبہ کی آیت نمبر 29 میں ہر اہلِ کتاب حکومت سے جنگ کرنے کا حکم نہیں اور اسلام کسی قسم کی جارحیت یا مذہب میں جبر کا قائل نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے زمانہ میں عیسائی حبشہ کی سلامتی، آزادی اور اس کے تحفظ کا احترام ہے جو اس زمانہ کے مسلمانوں نے ہمیشہ مدِنظر رکھا۔ روم اور ایران سے مسلمانوں کی بوجوہ (1) زبردست جنگیں ہوئیں اور ان کے وسیع علاقے بھی فتح ہوئے لیکن مسلمانوں نے اپنے زبردست عروج کے زمانہ میں اپنے قریبی پڑوسی حبشہ کو چھیڑا تک نہیں کیونکہ حبشہ کی حکومت نے مسلمانوں کے خلاف کسی کارروائی میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے بھی حبشہ سے اپنے تعلقات استوار اور خوشگوار رکھے۔

اگر یہ بات درست ہوتی کہ غیر مسلم طاقت سے نبرد آزما رہنا اسلام کا اُصول ہے اور اہلِ کتاب سے جنگ لڑنے کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے تو اقتدار کے بعد عیسائی حبشہ اس کا پہلا شکار ہونا چاہئے تھا۔ حبشہ کے لوگوں کو دعوت دی جاتی کہ یا اسلام قبول کرو یا شکست تسلیم کر کے جزیہ ادا کرنے کا معاہدہ کرو۔ لیکن ان سے کوئی بات بھی نہ ہوئی جو اس بات کی دلیل ہے کہ جو ملک مسلم حکومت کے ساتھ رہے اسلام اُسے بنظر استحسان دیکھتا ہے اور اُس کی آزادی اور استقلال کا احترام کرتا ہے۔

دارالحرب اور جہاد کے بارہ میں فقہاء اپنے نظریہ کی تائید میں بعض احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جن میں سے ایک حدیث یہ ہے:

"اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔" (2)

---

(1)۔ان وجوہات کی کچھ تفصیل صفحہ 34 اور بعد کے صفحات پر دیکھئے۔

(2)۔(صحیح بخاری کتاب الصلاۃ باب فضل استقبال القبلۃ حدیث:392)

کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مَیں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ مان جائیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہاں بھی فقہاء نے اس اُصول کی خلاف ورزی کی ہے کہ جو حدیث قرآنی تصریحات کے خلاف ہے وہ قابلِ تاویل ہے یا قابلِ ردّ ہے۔ یہ نہیں کہ قرآن کو اس حدیث کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اس حدیث کا موقع محل کیا ہے اور اس میں وارد لفظ ''اَلنَّاس'' سے کون لوگ مراد ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ حکم عام نہیں کیوں کہ فقہاء بھی یہ مانتے ہیں کہ اگر کافر صلح کا معاہدہ کرلیں یا شکست قبول کرکے جزیہ ادا کرنے کا معاہدہ کرلیں تو وہ اپنے مذہب پر قائم رہ سکتے ہیں۔اوران سے یہ منوانا ضروری نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں یا محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہاں بھی ''اَلنَّاس'' سے وہی لوگ مراد ہیں جو اپنی مسلسل شرارتوں کی وجہ سے ''جنگی مجرم'' بن چکے ہیں اورانہوں نے محض دین میں اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں پر ظلم ڈھائے، ان کے مال لوٹے، موقع ملا تو ان کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ان کو ان کے گھروں سے نکالا اور پیچھا کرکے ان کے امن وامان کو تباہ کرنے کی کوشش کی اور جنگ شروع کرنے میں پہل کی اس لئے جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کے اُصول پر عمل کرنے کے لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ایسے لوگوں کو تباہ کردیا جائے سوائے اس کے وہ اپنی اصلاح کرلیں اور اصلاح کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ مسلمان ہوجائیں۔گویا مقابلہ میں ان لوگوں پر جبر کرنے کی اجازت دی گئی جنہوں نے جبر کے رویہ پر اصرار کیا۔

قرآن کریم اور متعدد احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ موقع ومحل کے مطابق ''النّاس'' سے مراد معین اور محدود لوگ ہوسکتے ہیں۔مثلاً فرمایا اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اَنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ(آل عمران:174) ترجمہ:وہ(مومن)جن کو''لوگوں'' نے

کہا کہ ''لوگ'' تمہارے (مقابلہ کے) لئے جمع ہو رہے ہیں۔

اس جگہ ''لوگوں'' سے مراد مدینہ کے ''افواہ باز منافق'' ہیں اور جمع ہونے والے ''لوگوں'' سے مراد ابوسفیان اور اُس کے ساتھی ہیں۔ پس جس طرح یہاں الف لام ''عہد'' یعنی تعیین کے لئے ہے اسی طرح حدیث اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ میں بھی الف لام عہد خارجی کے لئے ہے اور ''تعیین'' موقع ومحل دوسرے ارشادات اور قرآن کریم کی آیات نے کی ہے۔

اسی طرح ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر کے بعد سردارانِ مکہ کی نعشوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

بِئْسَ عَشِيرَةُ النَّبِّى كُنْتُم لنبيكم كذّ بتمُوْنى وَ صَدَّ قَنِي "النّاس" وَاَخْرجتُمونى و آوانى "النَّاس" وقاتلتمونى ونصرنى "النّاس"۔ (1)

کہ تم اپنے نبی کے بہت بُرے رشتہ دار بنے۔ تم نے مجھے جھٹلایا اور دوسرے ''لوگوں'' نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے میرے وطن سے نکالا اور دوسرے ''لوگوں'' نے مجھے پناہ دی۔ تم نے میرے خلاف جنگ کی اور دوسرے ''لوگوں'' نے میری مدد کی۔ اس حدیث میں تین جگہ ''النَّاس'' کا ذکر آیا ہے اور تینوں جگہ مدینہ کے انصار مراد ہیں۔

پس جس موقع پر ایک بات کہی گئی ہے اُسے نظر انداز کر کے کسی بات کے من مانے معنے لینا محاورہ زبان کے بھی خلاف ہے اور تَاْوِيْلُ الْقَوْلِ بِمَا لَا يَرْضٰى بِهٖ قَآئِلُهٗ کے اُصول کی بھی خلاف ورزی ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِی الْاَبْصَار۔

البتہ قرآن کریم کے ان ارشادات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی احادیث جن میں قتال بالسیف کا حکم دیا گیا ہے یہ استدلال کرنا بالکل بجا اور درست ہوگا کہ آئندہ جب بھی

(1)۔ السيرة النبوية لابن ہشام صفحہ 435 ذکر رؤیا عاتکہ بنت عبد المطلب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

ایسے حالات پیدا ہوں مشرک یا اہلِ کتاب محض دینی اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں پر ظلم ڈھائیں اوران کوان کے گھروں سے نکالیں اوران پرحملہ میں پہل کریں تو اپنے واجب الاطاعت امام کی سرکردگی میں ایسے ظالم لوگوں سے لڑنا اور مذہب کی آزادی کے لئے ہر طرح کی قربانیاں پیش کرنا مسلمانوں کے لئے واجب اورفرض ہوگا۔

دارالحرب اور جہاد کے متعلق مسلمانوں میں جارحانہ نظریات کے فروغ کی ایک اہم وجہ

دارالحرب اور جہاد کے بارہ میں مسلمانوں کے اندر اس قسم کے جارحانہ نظریات کے فروغ کی ایک اہم وجہ یہ ہوئی کہ تیسری صدی کے مؤرخین نے جو تاریخ مرتب کی اس میں انہوں نے اپنے اسلام کی شاندار کامیابیوں اور کامرانیوں کے جوش میں ''ان اسباب'' کی اچھی طرح چھان بین کرنے کی کوشش نہ کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کے عسکری اقدامات کا باعث بنے۔ اس غفلت کی وجہ سے یہ غلط سوچ سارے ماحول پر چھا گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتدار حاصل کرتے ہی اطراف و جوانب کے ممالک کو چیلنج دے دیا کہ یا تو اسلام قبول کرو ورنہ تلوار کے ذریعہ میں اپنے مسلک کو منواؤں گا۔ (1)

حالانکہ اس سوچ کی کوئی ٹھوس بنیاد نہیں تھی کیونکہ قرآن کریم میں یہ تصریح موجود ہے کہ مسلمانوں کو ان کے خلاف کارروائی کرنے کی اجازت ہے جو ان کی مذہبی آزادی سلب کرتے ہیں۔ اس کی تبلیغ نہیں کرنے دیتے۔ تشدّد اور قتل و غارت کے مرتکب ہوتے ہیں ان کو ان کے گھروں سے نکالتے ہیں۔ اور حملہ میں پہل کرتے ہیں۔

(سورۃ التوبۃ:13، سورۃ الحج:39)

(1)۔ ماخوذ از الجہاد فی الاسلام از ابوالاعلیٰ مودودی صفحہ 174 مطبع ادارہ ترجمان القرآن لاہور 2009ء

تاریخی حقائق

علاوہ ازیں تاریخی طور پر بھی ثابت ہے کہ کفار مکہ نے مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور پھر حملہ میں بھی پہل کی۔ مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ بدر، اُحد اور احزاب کی جنگیں اس کی واضح مثال ہیں۔ مدینہ کے یہودیوں نے بھی عناد اور اسلام دشمنی میں شرافت کی ساری حدیں توڑ ڈالیں۔(1)

صلح حدیبیہ کے بعد امن کے ماحول میں ملک کے مختلف حصوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی وفد بھیجے جنہیں تاریخ ساز کامیابی ہوئی اور یہ تاثر غلط ثابت ہوا کہ آپؐ کی تبلیغی کوششیں ناکام اور غیر مؤثر رہیں۔

صلح حدیبیہ کے دنوں میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف جوانب کے ممالک کے بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے۔ حبشہ کے بادشاہ نے خط کا شریفانہ جواب دیا۔ مصر کے مقوقس نے بھی سفارتی روابط کا احترام کیا۔ لیکن قیصر اور کسریٰ کا ردِ عمل شدید تھا۔

کسریٰ ایران کو جب خط ملا تو وہ غصہ سے کانپ اُٹھا۔ خط پُرزے پُرزے کر دیا اور یمن میں اپنے نائب کو لکھا کہ عرب کے اس ''نبی'' کو گرفتار کر کے میرے پاس بھجوا دو تا کہ اُسے اس جرأت کی سزا دی جا سکے۔ جیسے عرب کے لوگ کسرائے ایران کی رعایا ہیں اور ان کو گرفتار کرنے اور سزا دینے کا اُسے کلی اختیار ہے۔(2)

یہ صورت حال اس وجہ سے تھی کہ ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر عرب کو اپنے نفوذ اور اثر کا علاقہ سمجھتے تھے اور وہاں کسی کے آزاد اقتدار کے روادار نہ تھے اس لئے عرب میں اُبھرتی

(1)۔ الوثائق السیاسیہ صفحہ 59، سیرۃ ابن ہشام جلد 2 صفحہ 106، بخاری جلد 5 صفحہ 106، ابن کثیر جلد 4 صفحہ 313۔

(2)۔ تاریخ الرسل والملوک ومن کان فی زمن کل منھم المعروف تاریخ الطبری از امام ابو جعفر بن جریر الطبری جلد 3 صفحہ 142-143 ذکر الاحداث التی کانت فی سنۃ ست من الہجرۃ/ ذکر خروج رسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الملوک، مطبوعہ دار الفکر بیروت 2002ء۔

ہوئی تحریک کو وہ برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔

کسریٰ کا جو اندازِ فکر تھا اس کا مختصر ذکر اوپر کی سطور میں آ گیا ہے۔ قیصر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط لکھا اس کے بارہ میں اُس نے کسریٰ کے بالمقابل بہتر سیاسی سوجھ بوجھ کا ثبوت دیا۔ لیکن اندر سے وہ بھی آمادۂ پیکار تھا اور موقع کا منتظر تھا (چنانچہ خط کے بارہ میں جب قیصر کے رویہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی جو بظاہر خوش کن تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ **كَذَبَ عَدُوُّ اللّٰهِ لَيْسَ بِمُسْلِمٍ**۔[1]

کہ دشمنِ خدا جھوٹ کہتا ہے۔ وہ صلح جُو نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی زیر اثر غسانی ریاستوں کو عرب میں ابھرتی ہوئی اس طاقت کے بارہ میں سخت رویہ اختیار کرنے کا اشارہ دیا اور ان کی پیٹھ ٹھونکی۔

دمشق میں قیصر کا نائب حارث بن ابی شمر تھا۔ اُسے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ملا تو غصہ میں آپ کا خط زمین پر پھینک دیا اور اس جرأت کی سزا دینے کے لئے مدینہ پر حملہ کی تیاریوں میں لگ گیا۔

"فلما قرأ رمی بہ الارض وقال من ینزع ملکی منی؟ واخذ یعد العدۃ لقتال المسلمین۔"[2]

کہ جب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا تو اسے زمین پر پھینک دیا اور کہنے لگا

(1)۔(کتاب الاموال از ابوعبید القاسم بن سلام صفحہ 255 فصل ما بین الغنیمۃ والفیء ومصرف کل منہما، مطبع المکتبہ الاثریۃ)۔(شرح العلامۃ الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ از علامہ حافظ شہاب الدین قسطلانی جلد 4 صفحہ 95۔ثم غزوۃ تبوک، دار الکتب العلمیہ بیروت 1996ء)

(2)۔(فقہ السیرۃ از امام محمد غزالیؒ صفحہ 273 مکاتبۃ الملوک والامراء، مطبوعہ دار الشروق)۔(شرح العلامۃ الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ از علامہ حافظ شہاب الدین قسطلانی جلد 5 صفحہ 46۔واما مکاتبۃ علیہ الصلاۃ والسلام الی الملوک وغیرہم، دار الکتب العلمیہ بیروت 1996ء)۔(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جزء 1 باب ذکر بعثۃ رسول اللہ ﷺ الرسل بکتبہ الی الملوک یدعوھم الی الاسلام مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 1996ء)

مجھ سے میرا ملک کون چھین سکتا ہے۔اور مسلمانوں سے جنگ کی تیاریوں میں لگ گیا۔

بصریٰ جو رومن شہنشاہیت کا غسانی صوبہ تھا اس کے والی کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفیر الحارث بن عمرو الازدی کے ہاتھ اپنا خط بھیجا راستہ میں شرجیل بن عمرو الخسانی نے سفیر کو پکڑ لیا اور پوچھا وأَنْتَ مِنْ رُسُلِ مُحَمدٍ؟ (کیا تو محمدؐ کے قاصدوں میں سے ہے؟) جب جواب ہاں میں ملا تو اس نے سفیر کو قتل کر دیا۔

اپنے غسانی علاقوں میں سے ''معان'' کے علاقہ کے والی فروہ بن عمرو الجذامی مسلمان ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی۔لیکن رومن حکام ان کے مسلمان ہونے پر سخت برہم ہوئے۔پہلے انہیں ولایت کے عہدہ سے معزول کیا پھر گرفتار کر کے قتل کر دیا اور ان کی نعش سولی پر لٹکا دی۔جب انہیں قتل گاہ کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو انہوں نے مندرجہ ذیل شعر پڑھا:

بَلِّغ سَرَاةَ المسلمین بِاَنَّنی
سَلْمٌ لِرَبِّی أَعْظُمِیْ وَ مَقَامِی

کہ اے سلسلۂ سَراۃ کے پہاڑو! مسلمانوں کو اطلاع دے دینا کہ میں اپنے جسم و جان اور مقام و مرتبہ سمیت ربّ کے لئے مسلمان ہوں۔(1)

یہی حالات اور واقعات تھے جو غزوہ موتہ، تبوک اور یرموک کا باعث بنے۔تاکہ سفراء کی حرمت اور مذہب کی آزادی کے لئے تحفظ مہیا کیا جائے۔اور مدنی ریاست کے اِردگرد جو خطرات منڈلا رہے ہیں ان کا سدِّ باب ہو سکے۔

فارس میں بھی پہل ایرانیوں کی طرف سے ہوئی چونکہ مسلمان مظلوم تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حسبِ وعدہ مسلمانوں کو کامیابی بخشی پھر جنگوں کا ایک تسلسل قائم ہو گیا کیونکہ ایرانی

(1)۔السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 861 اسلام فروۃ بن عمرو الجذامی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2001ء۔

اور رومی اپنے اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لینے کے لئے حملہ آور ہوتے اور مسلمان دفاع کرتے اور اس طرح مزید علاقے فتح کرتے جاتے۔ ایسے ہی حالات میں ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں فرمایا:

کاش! ہمارے اور ان دشمن ملکوں (ایران اور روم) کے درمیان آگ کی ایک دیوار حائل ہو جائے جس کی وجہ سے وہ ہمارے لئے خطرہ کا باعث نہ رہیں اور ہم مطمئن ہو کر اپنے علاقہ کی بہبود کی طرف توجہ دے سکیں۔ (1)

کیا یہ تمنا جارحیت اور بزور اسلام کو پھیلانے کی دلیل ہے یا پُر امن حالات میسر آنے کی خواہش۔

بہرحال اگر یہ واقعات تاریخوں میں درج نہ بھی ہوتے تب بھی قرآن کریم کی آیات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اسلام دین و مذہب کے بارہ میں جبر کا قائل نہیں۔ یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ جس مذہبی آزادی اور اس کی تبلیغ کا مطالبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری مکّی زندگی میں کرتے رہے اور اس کے لئے بڑے بڑے ظلم سہے۔ وطن سے بے وطن ہوئے لیکن جب مدینہ میں آئے اور آپ ؐ کو اقتدار ملا تو معاملہ سراسر اُلٹ گیا۔ اور آپ ؐ نے یہ اعلان عام کر دیا کہ اب مذہب میں آزادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسلام کے سوا کسی دوسرے دین و مذہب کو باقی رہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ کسی اور مذہب کی تبلیغ کی اجازت تو الگ رہی اس کے بقاء کی بھی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔

قرآن کریم کی آیات، تاریخ کے واقعات، مکی زندگی میں آپ کے بنیادی مطالبات کی موجودگی میں مولانا مودودی کے اس بیان کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے کہ:۔

’’جب وعظ و تلقین کی ناکامی کے بعد داعی اسلام نے اپنے ہاتھ میں تلوار لی تو دلوں سے

(1)۔ الفاروقؓ از علامہ شبلی نعمانی صفحہ 141 مطبع ادارہ اسلامیات پبلشرز لاہور 2004ء

رفتہ رفتہ بدی اور شرارت کا زنگ چھوٹنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف کے ممالک کو اپنے اُصول اور مسلک کی طرف دعوت دی مگر اس کا انتظار نہ کیا کہ یہ دعوت قبول کی جاتی ہے یا نہیں بلکہ قوت حاصل کرتے ہی رومی سلطنت سے تصادم شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پارٹی کے لیڈر ہوئے تو انہوں نے روم اور ایران دونوں کی غیر اسلامی حکومتوں پر حملہ کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حملہ کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچا دیا۔‘‘

صلح حدیبیہ کے بعد کا زمانہ اس بات پر شاہد ناطق ہے کہ یہ زمانہ اسلام کی پُر امن تبلیغ کے لئے اتنا سازگار رہا کہ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہزاروں اور لاکھوں تک پہنچ گئی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ کے ساتھ کل چودہ سو صحابہ تھے۔ دو سال بعد فتح مکہ کے وقت آپ کی معیت میں دس ہزار قدوسی تھے اس کے دو سال بعد آپ جب حج کرنے گئے تو ایک لاکھ سے زائد لوگ جمع تھے۔ کیا یہ آثار تبلیغ کی ناکامی اور اس کے غیر مؤثر ہونے کے ہیں؟

اے ہداک اللہ چہ بد فہمیدہ

....

بنو مصطلق پر حملہ کے واقعہ سے فقہاء کا غلط استدلال

اس مضمون کے صفحہ 19 پر فقہاء کے اس مسلک کا ذکر گزر چکا ہے کہ غیر مسلموں پر حملہ سے پہلے اُنہیں اسلام کی دعوت دینا ضروری نہیں، اچانک حملہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس مسلک کی دلیل میں بنو مصطلق پر حملہ کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ یہ حملہ بنو مصطلق کی بے خبری کی حالت میں کیا گیا تھا۔ حالانکہ اگر ہماری نظر کے سامنے اُصول ہوں، تاریخ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جاریہ ہو تو ایسے استدلال کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بنو مصطلق پر حملہ کا واقعہ اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جب کہ عرب کے مختلف قبائل کے

مرکزِ اسلام مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کا مسلسل خطرہ رہتا تھا۔ اسی خطرہ کے پیشِ نظر آپ نے اپنے جاسوسوں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ مختلف قبائل کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھیں۔ اسی سلسلہ میں آپ کو اطلاع ملی کہ بنو مصطلق کے ارادے اچھے نہیں لگتے اور وہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ چنانچہ تاریخوں میں لکھا ہے:

" فان الانباء اتت الرسول ﷺ بان هٰذه القبيلة تجمع له وتستعد لقتاله و ان سيدها الحارث بن ابی ضرار قد استمكن عدته لهٰذا المسير۔"(1)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جنگی حکمتِ عملی یہ تھی کہ جہاں تک ہو سکے دشمن کو تیاری کا موقع نہ دیا جائے اور بے خبری میں ان کو قابو کر لیا جائے تا کہ زیادہ خون ریزی سے بچا جا سکے۔ یہ جنگی حکمتِ عملی بنو مصطلق پر حملہ کرنے میں بھی اختیار کی جسے راویوں نے ''وَهُمْ غَارُوْنَ'' کے الفاظ میں ادا کیا۔

فتح مکہ کے موقع پر بھی اسی حکمتِ عملی سے کام لیا گیا اور اس سفر کو اخفاء میں رکھا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"وكان المسلمون علٰى خطتهم المرسومة يبثون العيون حولهم حتى يأخذوا قريشًا علٰى غِرّة۔"(2)

یعنی مسلمانوں نے حسب دستور اس حملہ میں بھی اپنے جاسوس پھیلا رکھے تھے کہ اِرد گرد کے ماحول پر نظر رکھیں اور مقصد یہ تھا کہ وہ قریش کی بے خبری میں ان کو جا قابو کریں۔ کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ مکہ پر حملہ کرنے کا کوئی سبب نہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک ان کو جا لیا تھا؟

(1)۔(فقہ السیرۃ از امام محمد غزالیؒ صفحہ 218-217 دومۃ الجندل، مطبوعہ دار الشروق)۔(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 670 غزوہ بنی مصطلق بالمریسیع ...... مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2001ء)۔

(2)۔فقہ السیرۃ از امام محمد غزالی صفحہ 290 الفتح الاعظم / تعمیۃ اخبار الجیش، مطبوعہ دار الشروق۔

جیسا کہ اہل دانش جانتے ہیں بعض اوقات کسی ’’حربی اقدام‘‘ کے سبب کا علم جنگی مصالح کی وجہ سے صرف قائدِ لشکر کو ہوتا ہے۔ عام فوجی اس سے بے خبر ہوتے ہیں اس لئے کوئی راوی سمجھ سکتا ہے کہ حملہ بلا سبب کیا گیا ہے حالانکہ سبب موجود ہوتا ہے صرف راوی اس سے بے خبر ہوتا ہے۔ جنگ کا عام اُصول جس کی پابندی کی ہر فوجی کو ہدایت تھی اس کو قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی جگہ واضح کیا ہے جن میں سے آپ کا وہ فرمان بھی ہے جو حضرت معاذؓ کو ایک مہم پر بھیجتے ہوئے بیان فرمایا:۔

’’لاتقاتلوھم حتی تدعوھم فان اَبَوْا فلا تقاتلوھم حتی یبدؤوکم فان بدؤوکم فلا تقاتلوھم حتی یقتلوا منکم قتیلًا ثم اروھم ذالک القتیل و قولوا لھم ھل الٰی خیرٍ من ھٰذا سبیل؟ فلأن یھدی اللّٰہ تعالٰی علٰی یدیک خیرٌ لک مما طلعت علیہ الشمس و غربت۔‘‘(1)

یعنی دشمن جو مقابل پر آیا ہے سب سے پہلے اسے دعوتِ اسلام دو۔ اگر وہ انکار کرے تو بھی حملہ میں پہل نہ کرو۔ اور اگر وہ پہل کرے تو بھی آگے نہ بڑھو۔ جب وہ آگے بڑھ کر تمہارا کوئی آدمی مار ڈالیں تو ان کو یہ شہید دیکھاؤ اور کہو کچھ سوچو کیا تم اس سے بہتر طرز عمل اختیار نہیں کرسکتے۔ اگر وہ پھر بھی نہ سمجھیں تو اس وقت ان کے حملہ کا بھرپور جواب دو۔ یہ تدریج اس لئے ضروری ہے کہ تیرے ذریعہ کوئی ہدایت پا جائے تو یہ تیرے لئے ساری دنیا سے بہتر ہے جس پر صبح و شام سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے۔

عام حالات میں غیر مسلموں کے اموال کے مباح الاخذ ہونے سے متعلق فقہاء کے خیال کا ردّ

فقہاء کا یہ نظریہ کہ غیر مسلم ممالک کے باشندوں کے اموال مباح الاخذ ہیں۔ مسلمان جس طرح چاہیں اور جس طرح ان کا بس چلے وہ ان اموال پر قبضہ کرسکتے ہیں۔ یہ قطعاً

(1)۔المبسوط از امام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی جلد اول صفحہ 1212 کتاب السیر باب معاملۃ الجیش مع الکفار، بیت الافکار الدولیۃ، اردن 2009ء۔

درست نہیں۔ قرآنی دستورِ عام بھی اس کے خلاف ہے اور واقعات بھی اس کی تائید نہیں کرتے۔ پس دورانِ جنگ کے حربی قوانین کو عام قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

1۔ سینکڑوں واقعات تاریخوں میں بیان ہوئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار کے اموال پوری دیانتداری کے ساتھ ان کے مالکوں تک پہنچائے گئے۔ ہجرت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی ؓ کو باوجود خطرناک حالات کے اسی لئے پیچھے چھوڑا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی امانتیں ان کے اصل مالکوں تک پہنچا سکیں حالانکہ ان مخالف حالات میں عام اخلاق کا انسان سمجھتا ہے کہ دشمن کے آدمیوں کا مال ہے اسے ان تک کیوں پہنچایا جائے۔

2۔ جنگِ خیبر کے موقع پر یہودیوں کا ایک چرواہا مسلمان ہوگیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اس نے عرض کیا کہ ان سینکڑوں بکریوں کا کیا کروں جو میری تحویل میں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودیوں کے قلعہ کی طرف ان کو ہانک دو حسبِ عادت یہ خود بخود قلعہ کے اندر چلی جائیں گی۔ (1)

حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے یہودیوں سے لڑ رہے تھے اور دشمن کے مال پر بآسانی قابض ہوسکتے تھے۔

3۔ آپ کے داماد ابوالعاص بن ربیع نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جنگِ بدر میں بھی وہ قید ہوئے اور فدیہ دے کر رہائی پائی۔ ایک دفعہ وہ حسبِ دستور مکہ والوں کا مال لے کر بغرض تجارت شام گئے۔ واپسی پر مسلمانوں کے فوجی دستہ کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش پر ان کو رہا کر دیا گیا اور ان کا سارا مال بھی ان کو واپس مل

(1)۔ السیرۃ النبویۃ از اسماعیل بن کثیر جزء 3 صفحہ 361 سنۃ سبع من الہجرۃ / غزوۃ خیبر فی اولہا، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

گیا۔ مسلمانوں کے اس سلوک کو دیکھ کر انہوں نے اسلام میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس پر ان کے بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ یہ مکہ کے کافروں کا مال ہے آپ اس پر قبضہ کرلیں اور مدینہ میں ہی رہیں۔ اس ابوالعاص نے کہا بِئْسَ مَا اَبْدَءُ بِہٖ اِسْلَامِیْ اَنْ اَخُوْنَ اَمَانَتِیْ کہ مَیں اسلام کا آغاز خیانت سے کروں، اس سے زیادہ برا کام کیا ہوگا۔ چنانچہ آپ مکہ گئے۔ لوگوں کا پائی پائی مال واپس کیا اور پھر مکہ والوں سے پوچھا کہ ان کا کوئی مال ان کے ذمہ رہ گیا ہے؟ مکہ والوں نے جواب دیا۔ انہوں نے سب کچھ وصول کرلیا ہے فَجَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا فَقَدْ وَجَدْنَاکَ وَفِیًّا کَرِیْمًا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے ہم نے آپ کو پوری طرح وفا کرنے والا حق ادا کرنے والا اور شریف مرد پایا ہے۔ اس پر ابوالعاص نے کہا تو سنو فَانَا اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اس کے بعد آپ مدینہ آگئے۔ (1)

حالانکہ مکہ والے حربی دشمن تھے، برسرِ پیکار تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو ان کے مال پر بڑی آسانی کے ساتھ قبضہ کر سکتے تھے۔

4۔ مغیرہ بن شعبہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ کاروباری سرگرمیوں کے لئے وطن سے نکلے۔ راستہ میں ان کی نیت خراب ہوگئی اور موقع پا کر انہوں نے اپنے سارے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور ان کا مال متاع لے کر وہاں سے بھاگ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرلیا۔ پھر یہ سارا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا اور عرض کیا کہ اس مال سے خمس (حکومت کا حصہ) آپ قبول فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا اسلام کی

(1) ۔السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 448-447 اسلام ابی العاص بن الربیع ،مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2001ء۔

قبولیت کا معاملہ تو دل سے تعلق رکھتا ہے اَمَّا مَالُکَ فَمَالُ غَدرٍ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِیْهِ۔ یعنی رہا مال تو یہ مال غداری اور دھوکہ سے حاصل ہوا ہے اس لئے اس میں سے کچھ لینا ہمارے لئے کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔

غرض اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عام حالات میں جن کا تعلق میدان جنگ سے نہ ہو اسلام کے نزدیک غیر مسلموں کے اموال محفوظ اور مصئون ہیں اور ان کو اسی طرح کا قانونی تحفظ حاصل ہے جس طرح ایک عام شہری مسلمان کے اموال کو حاصل ہے۔

دارالحرب اور جہاد کے بارہ میں متشدد اور جارحانہ فقہی خیالات و نظریات کے بدنتائج

دارالحرب اور جہاد کے بارہ میں اس قسم کے فقہی خیالات اور نظریات کے مطابق کسی مسلم حکومت نے عمل کیا یا نہیں کیا۔ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن ''عوامی مُلّا'' جن کا عوام سے قریبی رابطہ ہوتا ہے اس قسم کے خیالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے کیونکہ وہ اپنے مسلک کے مطابق ان نظریات کو اسلام کا مقدس قانون سمجھتے تھے جس کی وجہ سے لاشعوری طور پر ان کا ذہن ''مذہبی تشدّد'' کا عادی بن گیا اور عوام چونکہ انہی کے زیرِ تربیت رہنے پر مجبور تھے اس لئے ان میں سے بھی ایک طبقہ ''اخلاقی تشدّد'' کا شکار ہو گیا جس کے مندرجہ ذیل معاشرتی نتائج برآمد ہوئے۔

1۔ **مذہبی مُلّا اور ان کے زیر اثر عوام کے ایک طبقہ کی ''قوّت برداشت'' نا قابل بیان حد تک کمزور ہو گئی۔** ان کے اندر اختلاف کا سامنا کرنے کی ہمت نہ رہی اور اختلافات اور مختلف نظریات کو ان کے دائرہ کے اندر رکھنے کے قویٰ سلب ہو گئے۔ ہر اختلاف کا جواب تشدد یا تلوار سے دیا جانے لگا بلکہ قوّت اور تلوار کو مرض کا علاج سمجھ لیا گیا اور ان میں یہ مقولہ

مشہور ہو گیا کہ اِنَّ اللّٰہ یَزَع بالسلطان مَا لا یَزَع بالقرآن کہ اللہ تعالیٰ قوت طاقت اور حکومتی رعب سے وہ کام لیتا ہے جو قرآن سے نہیں لے سکتا۔ نفرت، درشتی، سختی اور عقاب اصلاح کے کامیاب ترین ذرائع سمجھے گئے یہاں تک کہ اپنے مخالف کا کلمۂ شہادت پڑھنا بھی ان کے لئے وجۂ اشتعال بن گیا۔

اسی بیمار ذہن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقع پر فرمایا:

''یہ نری خام خیالی اور بیہودگی ہے جو مخالف تو اعتراض کریں اور اس کا جواب تلوار سے ہو۔ خدا تعالیٰ نے کبھی اس کو پسند نہیں کیا۔''(1)

2۔ مذہبی اختلاف سے آگے بڑھ کر تعلیمی، اقتصادی اور سیاسی اختلاف بھی وجۂ دشمنی بن گیا۔ اس اختلاف نے تشدد، تعصب اور کفر کی شکل اختیار کر لی۔ کانگریس اور مسلم لیگی لیڈر سیاسی اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے روادار نہ تھے۔ مولانا محمد علی پر کفر کے فتوے لگے۔ مولانا آزاد کو غدار اور کافر کہا گیا۔ قائداعظم کو کافرِ اعظم کے خطاب سے نوازا گیا۔ حالانکہ اختلاف اگر کوئی تھا تو صرف سیاسی تھا۔ باہمی مشاورت اور بات چیت کے ذریعہ مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔ تشدد، نفرت اور کفر کی کوئی وجہ نہ تھی لیکن صدیوں کے فقہی تصورات نے ذہنوں کے اندر اشتعال کے جو جراثیم داخل کئے تھے وہ مشاورت اور بات چیت کی راہ کی طرف آنے ہی نہ دیتے تھے۔ جن رہنماؤں نے مسلمانوں کی تعلیمی یا اقتصادی حالت سنوارنے کی کوئی کوشش کی تو جواب نفرت، تعصب اور تشدد کی شکل میں ملا اور کفر کے فتوے لگ گئے۔ سرسید مرحوم اس قسم کے تشدد کے شکار ہونے والوں میں ایک نمایاں مثال ہیں۔ نفرت جب حد سے بڑھتی ہے تو انسان کو اندھا

(1)۔ ملفوظات جلد 4 صفحہ 374۔ ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ

کر دیتی ہے اور عقل کی کوئی کرن باقی نہیں رہتی۔ اس کی ایک نمایاں مثال تحریک ہجرت ہے۔ مسلمانوں کی نفرت کی عادت اور کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر ہندوؤں نے مسلمانوں کے جذباتی لیڈروں کو یہ سبق پڑھایا کہ انگریز سے نفرت کے اظہار کے لئے مسلمان ہندوستان خالی کر جائیں۔ مسلم ملازم اپنی نوکریاں چھوڑ دیں۔ انگریزی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم اپنی کلاسوں سے نکل آئیں اور رُخ بہ کابل کر لیں۔ اس تحریک کی وجہ سے سینکڑوں مسلمان برباد ہوئے۔ ان کے تعلیمی ادارے تخریب کا شکار بنے۔ ملازموں کی ملازمتیں گئیں۔ غرض قوم کی قوم مزید پسماندگی کا شکار ہوگئی۔ ہندو خوش تھے کہ یہ تحریک ایک تو انگریزوں کی پریشانی کا باعث بن رہی ہے اور دوسرے مسلمان برباد ہو رہے ہیں۔ یہ ان کے لئے دوہری خوشی کی بات تھی۔

دوسرے ممالک کے مسلمانوں کا بھی اس مذہبی تشدد کی لاشعوری عادت کی وجہ سے قریباً قریباً یہی حال ہے۔ آپس کی بات چیت اور مشاورت کے ذریعہ مسائل حل کرنے اور اختلافات کو سلجھانے یا اختلاف کو اپنے دائرہ کے اندر رکھنے کا جیسے ملکہ ہی مفقود ہو گیا۔ ادھر کوئی سیاسی یا مذہبی اختلاف سامنے آیا، جھٹ سیاسی تعلقات منقطع کرنے تک نوبت جا پہنچی۔ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ اقتصادی اور صنعتی معاہدے تک توڑ دیئے گئے۔ حالانکہ دوسری طاقتوں کی مثالیں سامنے موجود ہیں۔ اشتراکی اور سرمایہ دار ممالک کے اختلافات سے کون واقف نہیں لیکن سب ممالک باہمی مشاورت کا اہتمام کرتے ہیں۔ ایک میز پر بیٹھ کر اختلافات سلجھانے کی سَو بار کوشش کرتے ہیں۔ مجلس اور سوشل تعلقات کو امکانی حد تک قائم رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے احترام کی قدر کو جانتے ہیں۔ لیکن ادھر یہ حال ہے کہ ایک کتاب، ایک رسول اور توحید کی علمبرداری کا دعویٰ رکھتے ہوئے بھی صرف تقلید اور عدم تقلید میں اختلاف کی وجہ سے یہ فتوے بھی موجود ہیں کہ اگر ایک نالی میں بہنے والے پانی کو اوپر کی

طرف کوئی سؤر پی رہا ہوتو نیچے کی طرف کا ایک مسلمان پانی پی سکتا ہے لیکن اگر کوئی وہابی اوپر کی طرف پانی پی رہا ہے تو نیچے کی طرف آنے والا پانی نہیں پینا چاہیئے ۔اسی ذہنیت کی وجہ سے یہ دینی موقف بھی اپنایا گیا کہ اَلْاِسْتِعَانَۃُ بِالْکُفَّارِ کَالْاِسْتِعَانَۃُ بِالْکِلَابِ کہ کفار سے مدد لینا کتوں سے مدد لینے کے مترادف ہے۔اسی نفرت کی عادت کی وجہ سے ’’عوامی مُلاّ‘‘ مجسم اشتعال بن گیا۔فساد کے بغیر جیسے ان کا کوئی مسئلہ حل ہی نہیں ہوتا۔کیا خوب کہا گیا ہے۔دین مُلاّ فی سبیل اللہ فساد

3۔ اسی قسم کے متشددانہ نظریات کی وجہ سے مسلمانوں کے ذہنوں سے تبلیغ کی اہمیت جاتی رہی بلکہ اسے ایک بے کار کوشش سمجھا جانے لگا۔جیسا کہ مولانا مودودی کی تصریحات سے ظاہر ہے۔(دیکھئے مضمون ھٰذا صفحہ 11)

اس زمانے میں دوسروں کی دیکھا دیکھی اگر تبلیغ کی ضرورت کو محسوس کیا بھی تو اسے پرپیگنڈا اور ایجی ٹیشن کے رنگ میں رنگین کرنے کی کوشش کی گئی اور عیب چینی اور دوسروں کے خلاف نفرت پھیلانے کا ذریعہ بنالیا گیا۔مثلاً پاکستان میں ’’سیرۃ النبی ؐ‘‘ کے جلسوں کے انعقاد کا اعلان ہوتا ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ دیو بندی بریلویوں کے خلاف بولتا ہے اور انہیں مشرک قرار دیتا ہے اور بریلوی دیو بندیوں کو گستاخِ رسول کے القاب سے نوازتا ہے۔یہی حال احراری مُلاّ کی تبلیغی کانفرنسوں کا ہے۔ جماعت احمدیہ کے خلاف پراپیگنڈا اور ایجیٹیشن پھیلانے کے سوا جیسے ان کا کوئی مقصد ہی نہیں۔گالی گلوچ،سبّ وشتم اور نفرت و تشدد کی تلقین ان تبلیغی کانفرنسوں کا خلاصہ ہوتا ہے۔

4۔ جہاد کے بارہ میں اس قسم کے نظریہ کی وجہ سے سوشل اور معاشرتی مسائل کو حل کرنے کی تمیز جاتی رہی۔یہ شعور جاتا رہا کہ مسائل کو سلجھانے اور لوگوں سے بات منوانے کے فطرتی ذرائع کیا ہیں اور کہاں رأفت،نرمی اور خوش اخلاقی سے بات بنے گی؟ کہاں

جذبہ خدمت اُبھارنے سے مشکل کا ازالہ ہوگا؟ کہاں رفاہ عامہ کے کاموں کو منظّم کرنے سے لوگوں کے اخلاق بہتر ہوں گے؟ کس جگہ زبانی سختی کی ضرورت ہے؟ کہاں سرزنش درکار ہے؟ اور کن حالات میں معاشرہ کا دباؤ اور حکومت کی مداخلت کا جواز نکلتا ہے؟ یہ حد بندیاں مُلّا کے معاشرہ میں مفقود ہیں۔فسق اور کفر کے فتوے،نفرت کا وعظ اور جہاں بس چلے وہاں ڈنڈا سارے فسادوں کا علاج اور اصلاح کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ سبق بھی عوام کو پڑھایا گیا ہے کہ مخالف کو گرانے کے لئے تشدد کے ہر حربہ کی اجازت ہے۔ جھوٹ،فریب،افتراء،بہتان،سبّ وشتم دشمن کے مقابل میں ثواب کے کام ہیں اور اَلْحَرْبُ خُدْعَة کے یہی مفہوم ومعنے ہیں۔

انہی نظریات کی وجہ سے ''عوامی مُلّا'' نے تشدّد اور تنافر کو ایسی ہوا دی کہ عوام شریعت اور تشدد کو ہم معنے الفاظ سمجھنے لگے۔ نماز پڑھاؤ تو ڈنڈے کے زور سے، روزے رکھواؤ تو ڈرا دھمکا کر، احترام رمضان کے لئے گرفتاریاں ضروری ہیں۔ زکوٰۃ زبردستی وصول کی جائے۔ پاکستان میں زنا آرڈیننس کا جس طرح غلط استعمال ہوا اس سے عدالت عالیہ کے جج بھی چیخ اُٹھے۔غرض اسلام جو سراسر محبت اور الفت، امن اور سلامتی، بشاشت اور مسرت کا نام تھا ڈر اور خوف اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لئے استحصال اور رشوت کا دروازہ بن گیا۔

5۔ دارالحرب اور جہاد کے ان نظریات کی وجہ سے مسلمانوں میں تعصب اور تشدد کی آندھیاں چلیں۔ جن کی وجہ سے علمی ترقی رک گئی،قوت ایجاد جاتی رہی، ذہن منجمد ہوگئے۔اگر کسی نے کوئی نئی اختلافی بات پیش کرنے کی کوشش کی بھی تو جھٹ عوامی ملا نے کفر کے فتویٰ کی تلوار کھینچ لی اور اختلاف کو تشدد سے مٹانا چاہا۔ پہلے معتزلہ تشدد کا شکار ہوئے کیونکہ انہوں نے بعض ایسی باتوں کا اظہار کیا تھا جن سے اس زمانہ کے لوگ واقف نہ تھے۔ پھر

جب اقتدار معتزلہ کے ہاتھ میں آیا تو تعصب اور تشدد میں انہوں نے بھی کوئی کمی روا نہ رکھی۔ شیعہ، سُنّی اختلاف خون ریزی کا باعث بنا۔ پھر سُنّی آپس میں ہی پھر گئے۔ شافعیوں اور حنفیوں میں ہاتھا پائی ہوئی۔ حنفی اور شافعی آپس میں کٹ مرے، مالکی بھی کسی سے کم نہ رہے۔ امام ابن حزم ان کے تشدد کا شکار ہوئے۔ امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم جیلوں میں قید رہے۔ قصور صرف اختلافِ رائے تھا۔ فلاسفہ اسلام کا اس سے بھی برا حال تھا۔ وہ تشدد کے ڈر سے چھپتے پھرے۔ وطن سے بے وطن ہوئے۔ فارابی شیعوں کی پناہ لینے پر مجبور ہوئے کیونکہ اس زمانہ میں ان کے ہاں آزادیٔ رائے کی زیادہ گنجائش تھی۔ ابن سینا پر ان کے فلسفیانہ خیالات کی وجہ سے سختی ہوئی۔ ابن رشد تعصب کا شکار بنے۔ امام محی الدین ابن عربی نے سختیاں جھیلیں اور اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر اس جرم میں پتھر برسے کہ انہوں نے فارسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے جو عوامی مُلّا کے ہاں بدعت تھا۔ غرض ہر دانشور اپنے نئے خیالات کے اظہار سے اس لئے جھجکتا تھا کہ عوام کی مذہبی قیادت ناراض ہوجائے گی۔ ان پر کفر کا فتویٰ لگ جائے گا اور وہ واجب القتل قرار پائیں گے۔

نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے بارہ میں بھی پاکستانی مُلّا کا یہی رویہ ہے۔

بہر حال اس طرح آہستہ آہستہ اجتہاد اور ایجاد کے قویٰ کمزور ہوتے چلے گئے۔ جمود نے تازگی کی جگہ لے لی۔ اور ایک لمبے عرصہ تک اس کیفیت میں زندگی بسر کرتے آنے کی وجہ سے مسلم ممالک جہالت اور پسماندگی کا شکار بن گئے۔

آخر سوچنے کی بات ہے کہ ماضی قریب میں تباہ حالی کے باوجود جاپان نے ترقی کی۔ جرمن نے صنعتی عروج حاصل کیا۔ چین اور انڈیا آگے بڑھے تو مسلم ممالک کیوں پیچھے رہ گئے؟

دراصل قومی ترقی کی بنیاد علماء اور امراء ہوا کرتے ہیں۔ علماء ترقی کی راہیں سوچتے

ہیں۔اچھے اچھے منصوبے بناتے ہیں اور عوام کے ذہنوں کو شاہراہ ترقی پر گامزن ہونے کے لئے تیار کرتے ہیں اور امراء علماء کے سوچے ہوئے منصوبوں کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔لیکن اگر علماء جمود اور تعصب کا شکار ہو جائیں اور جہالت کو علم کہنے لگیں اور امراء خود غرض اور عیش پرست بن جائیں تو پھر قوم کو پسماندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

6۔ ان حربی نظریات کی وجہ سے معاشرہ کا تحفظ تباہ ہوا۔قانون کی حکومت کی عادت مستحکم نہ ہوئی کیونکہ جب عوام نے اپنے عوامی مُلّا سے یہ سبق پڑھا کہ کافر مباح الدّم ہے اور اسے قتل کرنے والا غازی اور مجاہد فی سبیل اللہ ہے اور کافر کا مال مباح الاخذ ہے فَلِلْمُسْلِمِ اَنْ یَأْ خُذَ مَالَ الْحَرْبِی بِاَیِّ وَجْہٍ یُمْکِن تو ان کے دل سے غیر مسلم کے خون اور اس کے مال کی حرمت جاتی رہی اور ان کے اموال لوٹنا کارِثواب سمجھا جانے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک ایسا ڈاکو ہیرو ہے جو غیر مسلم کے اموال لوٹ کر غریب مسلمانوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔اس طرح مال لوٹ کر آزاد علاقے میں بھاگ جانے والے کو مجاہد سمجھا جاتا ہے۔پھر یہ حد بندی بھی باقی نہ رہی اور مخالف مسلمان فرقے کے اموال لوٹ لینے یا جلا دینے کے جواز کے بھی فتوے دیئے گئے۔

7۔ دارالحرب اور جہاد کے بارہ میں عوامی مُلّا کے ان نظریات کی وجہ سے اسلام بدنام ہوا اور غیر مسلموں کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ اسلام اور جارحیت دو ہم معنے لفظ ہیں۔تلوار اسلام کا دوسرا نام ہے یا اسلام کسی دوسرے ہمسایہ مذہب کے ساتھ صلح وسلامتی کے حالات میں رہنے کا روادار نہیں۔

یہ سب بدنامی اس نظریہ کو اپنانے کی وجہ سے ہوئی کہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و سلم نے اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلانے کا حکم دیا ہے اور تلوار کے زور سے ہی وہ پھیلا ہے اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سالہ تبلیغی کوششوں کی ناکامی کے بعد جب

ہاتھ میں تلوار لی تو چوتھائی دنیا کی گردنیں جھک گئیں۔(مولانا مودودی کا بیان)

یہ مفت کی بدنامی مسلمانوں کو اقتصادی، سیاسی اور حربی لحاظ سے اور زیادہ کمزور کرنے کا باعث بن گئی۔صرف جذبات اور جارحانہ تمنائیں باقی رہ گئیں۔ اور صنعت وتجارت کو ذریعہ معاش سمجھنے کی بجائے مسلمانوں کو حرب وضرب اور لوٹ مار کو ذریعہ کمائی سمجھنے کا عادی بنادیا اور اس قسم کی حدیثیں گھڑی گئیں کہ **جَعَلَ اللّٰہ رِزْقِیْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِیْ** (اللہ نے میرا رزق میرے نیزہ کے سایہ میں مقدر کیا ہے)۔ اسی ذہنی تربیت کی وجہ سے مسلمانوں کی دینی قیادت نے انہیں آپس میں بھڑنے کا نام جہاد فی سبیل اللہ رکھنے کا عادی بنایا۔حقیقی مسائل سے غافل کیا۔معاش سیاست اور دفاع کے لئے جن اسباب کی ضرورت ہے ان سے انہیں غفلت برتنے کا عادی بنایا۔اس طرح وہ اپنے حقیقی فرائض سے غافل ہوگئے۔تعلیم میں پیچھے رہ گئے۔ایجادات کی استعدادیں جاتی رہیں۔اتحاد اور اتفاق کی افادیت ذہنوں سے نکل گئی اور **وَ ھُمْ فِیْ کُلِّ وادٍ یَھِیْمُوْنَ** کا مصداق بن گئے۔

8۔ ان حربی نظریات کی بنیاد قرآن کریم کی تنسیخ پر رکھی گئی ہے کیوں کہ قرآن نے تو برملا کہا ہے کہ دین کے بارہ میں کوئی جبر نہیں۔ رشد وہدایت، ضلالت اور جدال کی راہیں واضح ہوچکی ہیں جو جس پر چلنا چاہے اس کا اختیار ہے۔جو دین کو تلوار سے مٹانا چاہے اور تم پر محض دینی اختلاف کی وجہ سے حملہ آور ہو تو اس کا مقابلہ کرو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔

یہ سب کچھ عوامی مُلّا کے نزدیک منسوخ ہوچکا ہے۔پس جب تنسیخ کا یہ دروازہ کھولا گیا تو تشدد کے سوا کوئی حکم بھی مستحکم اور پائیدار نہ رہا۔کلامِ الٰہی عوامی مُلّا کے ہاتھ میں کھلونا بن گیا۔اُس نے قرآن کریم کی جس آیت کو چاہا منسوخ قرار دے دیا اور اپنے مطلب کے معنے کرنے میں آسانی پیدا کرلی کیونکہ قرآن کریم میں کہیں یہ صراحت نہیں کہ فلاں آیت منسوخ ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فلاں آیت منسوخ ہے۔ یہ عوامی

مُلاّ کی تصریحات ہیں کہ فلاں آیت منسوخ ہے اور فلاں آیت ناسخ ہے۔اس طرح کسی نے قرآن کریم کی پانچ سو آیات کو منسوخ قرار دے دیا۔کسی نے تین سو،کسی نے سترہ اور کسی نے پانچ۔اس اختلاف سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تعداد کسی نص پر مبنی نہیں تھی بلکہ علماء کی سمجھ کا یہ کیا دھرا ہے۔جس کو جو آیت سمجھ نہ آئی یا کسی دوسری آیت سے بظاہر اس کا اختلاف دیکھا تو یہ فیصلہ دے دیا کہ یہ آیت تو منسوخ ہے۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ

دارالاسلام اور دارالحرب کے بارہ میں دوسرا نقطۂ نظر

مسلمانوں کے صاحبِ فکر و دانش طبقہ کے نزدیک یہ خیال قطعاً بے بنیاد اور غلط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دنیا دو حصوں میں بٹ گئی۔ دنیا کا ایک حصہ دارالاسلام کہلایا جہاں اسلام کی حکومت قائم ہوا اور دنیا کا دوسرا حصہ دارالحرب ہے جہاں غیر مسلموں کی حکومت ہے اور ایسی حکومت سے برسرِ پیکار رہنا اور اس کو فتح کرنا اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ اس قسم کی اصطلاحیں بہت بعد کی پیداوار ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس قسم کی اصطلاحوں کا کوئی رواج نہ تھا۔

تاہم اگر اصطلاحوں میں ہی بات کرنی ہے تو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس طرح دنیا کی سیاسی تقسیم کے چار امکانات ہیں۔

1۔ دارالاسلام:۔

دنیا کا وہ حصہ جہاں خلافت راشدہ کا نظام قائم ہو۔ انسان کے دینی اور دنیوی بنیادی حقوق محفوظ ہوں۔ سب کو اقتصادی خوشحالی میسر ہو۔ گویا وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ کی کیفیت باعث مسرت واطمینان ہو۔ امراء اور عوام دونوں ایک دوسرے کے لئے دعا گو ہوں۔

2۔ دارالامن والامان:۔

ایسا ملک جہاں قرآن کریم کے سارے احکام تو نافذ نہیں لیکن لوگ امن سے رہ رہے

ہیں۔ دین کے بارہ میں کوئی جبر نہیں ہے۔ روزگار کے مواقع سب کو یکساں میسر ہیں سب مذاہب والے مل جل کر رہتے ہیں۔ ہر ایک اپنی جگہ آزاد ہے۔ ایسے ملک کے بارہ میں اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ وہاں مسلمان پُر امن طریق سے رہیں۔ اچھا شہری بن کر رہیں۔ وہاں کے عام قانون کی پابندی کریں (سورۃ یوسف:77) اور اخلاق کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے نرمی اور الفت کے ساتھ اور ذاتی نمونہ پیش کرتے ہوئے اپنے دینی نظریہ اور توحید کی تبلیغ کریں۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حبشہ کے ملک میں مسلمان رہے۔

3۔ دارالکفر :۔

وہ ملک جہاں مسلمان دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ ہوں لیکن خوف کے حالات سے بھی دوچار ہوں۔ ان کو مذہب کی وجہ سے تنگ کیا جاتا ہو۔ حکومت بھی ان کے حالات سے لاتعلق ہو لیکن ظاہر میں اُس کا یہی کہنا ہو کہ وہ تو سب سے یکساں اور مساوی سلوک کرتی ہے اور کسی کے خلاف نہیں۔ ان حالات کے باوجود اگر مسلمان وہاں رہنے پر مجبور ہوں اور دوسرے مسلمان ممالک بھی ایسی حکومت پر کوئی دباؤ نہ ڈال سکیں تو وہاں کے مسلمان حکومت کے عام ملکی قانون کی پابندی کریں گے۔ امن وامان سے رہنے کی کوشش کریں گے اور اپنی مشکلات کے ازالہ کے لئے اپنے لیڈر کے احکام کے تحت انفرادی اور اجتماعی رنگ میں سفارتی سطح پر وہاں کے اربابِ حل وعقد سے بات چیت کریں گے اور دوسرے پُر امن ذرائع اختیار کریں گے۔ اور اپنے آپ کو معاشرہ کا پُر امن شہری ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں بھی کرتے رہیں گے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے ان مشکلات سے نکلنے کی کوئی راہ مہیا فرمائے۔ اس طرح اگر وہ صبر و استقامت کے ساتھ کوشاں رہیں گے، انفرادی اور اجتماعی اخلاق اپنائیں گے، اتحاد اور

اتفاق کی رسی کو تھامے رہیں گے اور احتجاج کا عمدہ نمونہ پیش کریں گے تو انشاءاللہ تعالیٰ اُن کی ضرور سنی جائے گی۔

4۔دارالحرب:۔

وہ ملک ہوگا جس نے محض مذہبی مخالفت کی بنا پر اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کے نظام کو تباہ کرنے کے لئے دارالاسلام پر حملہ کیا ہو، یا اپنے ملک کے مسلمانوں کے تمام مذہبی حقوق علی الاعلان سلب کر لئے ہوں اور ان کی ہجرت کی راہیں بھی مسدود ہوگئی ہوں۔ اس طرح مسلمان جہاد بالسیف کے لئے مجبور کئے گئے ہوں تو ایسے حالات میں اسلام کے جنگی قوانین کا اجراء ہوگا اور فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَااعْتَدٰى عَلَيْكُمْ اور جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کے مطابق اسلامی فوجیں اپنے واجب الاطاعت امام کے احکام کے تحت جنگی اقدام کریں گی اور ہر جنگی حربہ اُن کے لئے جائز ہوگا جو جنگ سے متعلق اسلام کے اخلاقی قوانین کے دائرہ کے اندر رہے۔ یہ فوجیں عام تباہی اور قتلِ عام سے بچنے کی حتی الوسع کوشش کریں گی۔ تاہم دشمن کو یہ موقع ہرگز نہیں دیا جائے گا کہ وہ مسلمانوں کی نرمی کا ناجائز فائدہ اُٹھائے یا اچانک حملہ کرے۔

جہاں تک وطنی آزادی کے لئے اَیجیٹیشن (agitation) کرنے یا مناسب جدوجہد کرنے کا تعلق ہے تو اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔ اگر حالات اجازت دیں تو اس کے لئے مناسب کارروائی بالکل جائز ہے لیکن یہاں یہ جدوجہد یا جنگ زیرِ بحث نہیں۔ اس جگہ وہ جنگ زیرِ بحث ہے جو مذہب کے بارہ میں جبر کرنے والوں اور اس وجہ سے انسان کے بنیادی حقوق کو پامال کرنے والوں کے خلاف خلیفۃ المسلمین کے احکام کے تحت لڑی جاتی ہے اور اسی کا نام ’’اسلامی جہاد‘‘ یا ’’مقدس جنگ‘‘ ہے۔

جہاں تک دارالحرب کے فقہی احکام کا تعلق ہے تو ان کی بنیاد جنگی قوانین پر ہے جو

حالت امن کے سول یا فوجداری قوانین سے مختلف ہوتے ہیں اوران کا زیادہ تر تعلق جنگی حالات سے ہوتا ہےاور وہ اس اُصول پر مبنی ہوتے ہیں کہ دشمن کی طاقت کو کمزور اور نابود کیا جائے۔یعنی اپنی حفاظت مقدم اور دشمن کی ہستی مؤخر کا اُصول مدِّنظر ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جنگ کے دوران دشمن کو ہلاک کرنا، اُسے قید کرنا اور اُس کے اموال پر قبضہ کرنا غرض ہر اس حربہ کو جائز سمجھا جاتا ہے جس کی حالتِ امن میں ہرگز اجازت نہیں ہوتی۔ جنگ کے حالات میں کون قصوروار ہے اور کون بے قصور، یہ فرق قائم نہیں رہتا اور وہاں اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَّكَذَالِکَ يَفْعَلُوْنَ (النمل:35) کے اُصول چلتے ہیں۔یعنی جب بادشاہ (اپنی فوجوں کے ساتھ) کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں اور اس ملک کے معززین کو ذلیل کردیا کرتے ہیں۔گویا جنگ کے حالات میں نہ جان محفوظ ہوتی ہےاور نہ عزت وآبرو، نہ مال ومتاع سلامت رہتا ہےاور نہ املاک قائم رہتی ہیں اور دنیا کا یہی جنگی قانون ہے۔

جنگی قوانین کے ماہرین کے نزدیک چونکہ دشمن جنگ میں اپنی جان اور اپنے مال کی حفاظت کا حق کھودیتا ہے اس لئے فوجوں کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ دشمن کے اموال پر قبضہ کرلیں کیونکہ دشمن کے جان ومال کی قانونی عظمت ختم ہوجاتی ہے۔اسی لئے دارالحرب کے اموال دورانِ جنگ مباح ہوتے ہیں لیکن یہ اباحت صرف لڑنے والی فوجوں کے لئے ہوتی ہے اور مدِّنظر یہ ہوتا ہے کہ دشمن کی طاقت کو شل کیا جائے۔ پھر یہ مقبوضہ اموال فوجوں کی ملکیت نہیں ہوتے بلکہ حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں۔ جو انہیں قواعد کے مطابق خرچ کرتی ہےاور اس بارہ میں حکومت کے لئے وسیع اجتہاد کی بھی گنجائش ہے۔جیسا کہ حضرت عمرؓ نے سوادعراق کی جائیدادوں کے بارہ میں ایک نئے اجتہاد سے کام لیا تھا۔ (1)

(1)۔کتاب الخراج ازابویوسف یعقوب بن ابراہیم جلد2 صفحہ 30 ماعمل بہ فی السواد، مطبوعہ بولاق 1302 ہجری

یہ خیال کہ عام مسلمانوں کے لئے غیر مسلم ممالک میں لوٹ مار کرنا یا ذمی کے علاوہ دوسرے غیر مسلموں کا مال غصب کر لینا، چھاپے مارنا اور اگر کوئی غیر مسلم قابو میں آجائے تو اسے قتل کر دینا یہ سب کچھ جائز ہے اور اسلام اس کی اجازت دیتا ہے بڑا غلط خیال ہے اور اسلام پر بہت ہی ظالمانہ الزام ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حالات میں ہر ایک کی ملکیت کا احترام کیا اس میں مسلم اور غیر مسلم میں تمیز روا نہیں رکھی (مزید تفصیل اسی مضمون میں آگے آئے گی۔) آپؐ نے غیر مسلم طاقتوں سے خواہ وہ عرب کی ہوں یا عجم کی جتنے بھی صلح یا باہمی تعلقات کے معاہدے کئے ان سب کو بڑی دیانتداری اور وفاداری کے ساتھ نبھایا۔ اور اپنے صحابہؓ کو بھی اسی راہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی۔

جنگ بدر میں کچھ مسلمان آپ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم مکہ سے آرہے تھے کہ کفار نے ہمیں پکڑ لیا اور کہا کہ تم جا کر محمدؐ کی مدد کرو گے۔ ہم نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑائی کہ ہم ان کی کوئی مدد نہیں کریں گے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ جنگ میں آپ کے ساتھ شامل ہوں۔ لیکن آپ نے ان کو عہد شکنی کی اجازت نہ دی اور شاملِ جنگ کرنے سے صاف انکار کر دیا حالانکہ اس وقت آپ کو افرادی مدد کی بے حد ضرورت تھی اور کفار مکہ نے بالکل ناجائز طور پر ان مسلمانوں سے عہد لیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنے طرزِ عمل کو مثالی رکھا اور عہد کی پابندی کروائی۔

اسی طرح ایک قبیلہ کا سفیر آپ کے پاس سفارت کی غرض سے آیا اور آپ کے حالات دیکھ کر عرض کیا کہ مسلمان ہونا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ سفارتی آداب کے خلاف ہے۔ پہلے واپس جاؤ، سفارت کا فرض ادا کرو اور جو باتیں یہاں ہوئی ہیں ان کو اپنے قبیلہ تک پہنچاؤ۔ اس کے بعد اگر تمہارے دل میں انشراح ہو تو پھر آؤ اور ہم میں شامل ہو جاؤ۔ اس قسم

کے متعدد واقعات مستند تاریخوں نے بیان کئے ہیں۔

پس جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) معاہدات اور سفارتی آداب کی اس حد تک پابندی کرتا ہو اس کے بارہ میں یہ خیال کرنا کہ وہ قتل و غارت لوٹ مار کی اجازت دے گا، اس پاک ذات پر سراسر اتہام ہے۔

عام غیر مسلم حکومتوں میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ ان حکومتوں کے منصفانہ قوانین کی پابندی کریں۔ ان میں امن و امان سے رہیں اور دیانتداری اور ایمانداری کے ساتھ لین دین کریں۔ یہی ایک سچے مسلمان اور پُر امن شہری کا فرض ہے۔ البتہ جس طرح اس کا یہ فرض ہے اسی طرح اس کا یہ بھی مذہبی فرض ہے کہ وہ نرمی اور رأفت کے ساتھ پیغامِ حق پہنچائے اور اس بارہ میں اپنی صداقت کے لئے اپنا ذاتی بہترین نمونہ پیش کرے اور اسلام کی حسین تعلیم سے اپنے غیر مسلم بھائیوں کو متعارف کرائے۔ یہ راہ چھوڑ کر گناہ کی راہ اختیار کرنا، تشدّد اور تعصّب کے راستہ پر چلنا، مقصد براری کے لئے حیلے بہانے ڈھونڈنا ایک مبلغ مسلمان کا شیوہ نہیں ہوسکتا اور یہی وہ جہاد ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ تا قیامت مسلمانوں پر فرض ہے اور اس میں کوئی استثناء یا توقّف نہیں۔

لیکن وہ جہاد جس کا دوسرا نام قتال بالسیف ہے یہ اس وقت فرض ہوتا ہے جب کوئی غیر مسلم طاقت ''محض اختلاف مذہب'' کی وجہ سے مسلمانوں کے جان و مال کے لئے خطرہ بنے۔ ان کے امن و سلامتی کے حالات کو تباہ کرے۔ ان کے لئے جینا حرام کردے۔ انہیں مذہبی آزادی سے محروم کردے۔ نہ نماز پڑھنے دے اور نہ دوسری عبادتیں بجالانے دے اور انہیں زبردستی اپنا مذہب چھوڑ دینے پر مجبور کرے۔ یہ حالات جب بھی پیدا ہوں گے جہاد بالسیف فرض ہو جائے گا۔ مسلمان متحد ہو کر ایک امام کی بیعت کر کے جب بھی اس جہاد کے لئے نکلیں گے حسبِ وعدہ انَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِھِمۡ لَقَدِیۡرٌ خدا تعالیٰ کی تقدیر انہیں کامیابی

بخشے گی۔

مذکورہ بالا سطور کے معنے ومفہوم کی وضاحت کے لئے کچھ تفصیل کی ضرورت ہے جو آئندہ صفحات میں پیش کی جارہی ہے۔وباللّٰہ التوفیق۔

دارالاسلام، دارالحرب اور جہاد کے بارہ میں اس دوسرے موقف کی وضاحت یہ ہے کہ:

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے یعنی حکمت وموعظہ، حجت وبرہان کے ذریعہ وہ اپنے نظریات منواتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدۃ:68)

یعنی تیرے ربّ کی طرف سے جو تم پر اُتارا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو رسالت کے مفہوم کی خلاف ورزی ہوگی (کیونکہ رسالت کا منصب ہی پیغام رسانی اور اللہ کے کلام کو دوسروں تک پہنچانا ہے)

ایک اور جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ:۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ(آل عمران:111)

یعنی تم ایک بہترین اُمت ہو جو اس لئے معرضِ وجود میں آئی ہے کہ اُس کے افراد لوگوں کو نیکی بجالانے کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کو نیکی بجالانے کے لئے کہتے رہنا اور بُری باتوں سے روکتے رہنا بہترین ذاتی نمونہ کا متقاضی ہے کیونکہ اس کے بغیر تبلیغ ونصیحت ہو ہی نہیں سکتی۔ جس میں خود نیکی نہیں، اچھے اخلاق نہیں، دیانت و امانت نہیں، صلح پسندی اور مروت نہیں، حوصلہ اور دوسروں کی بات سننے کی عادت نہیں وہ

دوسروں کو نیکی کی کیا تلقین کرے گا اور برائیوں سے بچنے کا کیا وعظ کہے گا۔ اسی طرف **کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ** میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ (النحل:126)

یعنی اے رسول تُو حکمت دانائی اور اچھے نصائح کے ذریعہ لوگوں کو اللہ کی راہ کی طرف بلا اور اس طریق سے جو سب سے اچھا ہو اُن سے بحث کر۔ (یہ تبلیغ کا مؤثر ترین ذریعہ ہے)

صحیح تبلیغ کے اسلامی اصول

یہ سوال کہ صحیح تبلیغ کے کیا معنے ہیں اور اس کے لئے اسلام کیا اُصول تجویز کرتا ہے ایک بجا سوال ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ:

1۔ دل نشیں پیرایہ میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی جائے اور اس کے ساتھ ہی یہ اُصول بھی تسلیم کرلیا جائے کہ اپنے آغاز کے لحاظ سے تمام قدیم مذاہب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ ان کے احکام اپنے زمانے کے حالات کے مطابق تھے۔ ہر قوم میں ڈرانے والے اور حق کی راہ دکھانے والے آئے ہیں جو اپنے زمانہ کے برگزیدہ ترین انسان تھے۔ (سورۃ الرّعد:8، سورۃ الفاطر:25)

2۔ جو مبلغ جس مذہب کی تبلیغ کرے اور وہ جس کتاب کا پابند ہے اور اُسے الہامی کتاب مانتا ہے وہ اپنا دعویٰ اور اس کی دلیل اسی کتاب سے پیش کرے اور اُسی کتاب کے حوالے سے جواب دے اور اپنی وکالت کے اختیارات کو اتنا وسیع نہ کرے کہ گویا وہ ایک نئی کتاب بنا رہا ہے۔ (1)

3۔ ہر داعی اور مبلغ اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے اور اسی حد تک محدود رہے اور

(1)۔ ماخوذ از اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 315

دوسرے مذاہب پر حملہ کرنے سے احتراز کرے۔ کیونکہ دوسرے مذاہب کے نقائص اور عیوب بیان کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوجاتا کہ اُس کا اپنا مذہب ہر قسم کے نقائص سے پاک اور بے عیب ہے یا بڑا اچھا اور تمام خوبیوں کا جامع ہے۔ (1)

4۔ مباحثہ اور تبادلۂ خیالات کے وقت تہذیب وشائستگی کا خاص خیال رکھا جائے اور اگر کسی مذہب کے کسی نظریہ پر اعتراض بھی کرنا ہوتو مذہب زیرِ بحث کی صرف ان کتب کی بنا پر ہو جو اُس مذہب کے ماننے والوں کے نزدیک مسلّم اور مستند ہوں۔ اور اعتراض بھی وہ کرے جو اس کے اپنے مذہب پر وارد نہ ہوتا ہو۔ (2)

5۔ مبلغ کو چاہئے کہ وہ ذاتی کردار اور ہمدردی کے علاوہ مذہب کی حیات بخش تاثیرات اور تعلق باللہ کے آسمانی نشانوں کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائے۔ دعاؤں پر زور دے کیونکہ مذہب کا مقصد ہی اللہ سے تعلق پیدا کرنا اور اس سے قرب حاصل کرنا ہے۔ نیز جس طرح ظاہری روشنی آسمان سے اُترتی ہے اسی طرح ہدایت کا سچا نور بھی آسمان سے ہی اُترا کرتا ہے۔ (3)

اس مرحلہ پر یہ سوال بجا اور برمحل ہے کہ کیا اسلام دوسرے مذاہب کو اپنی بات سنانے اور اس مذہب کی تبلیغ کی اجازت دیتا ہے؟

سَو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ دوسروں کے لئے بھی پسند کرتا ہے اور اسلام کی بنیاد ہی آزادیٔ مذہب اور آزادیٔ تبلیغ پر ہے۔ وہ برملا کہتا ہے **نَبِّـئُوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ** (الانعام:144) ایسا ہی اُس کا فرمان ہے **قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ** (البقرۃ :112) یعنی اگر تم سچے ہو اور علم و برہان کی کوئی

(1)۔ ماخوذ از مجموعہ اشتہارات جلد 2 صفحہ 409 مطبوعہ ربوہ۔

(2)۔ ماخوذ از مجموعہ اشتہارات جلد 2 صفحہ 195 مطبوعہ ربوہ

(3)۔ ماخوذ از اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 414، 443

بات تمہارے پاس ہے تو پیش کرو۔ پھر فرمایا وَاِنْ كُنتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (البقرة:24) جو ہم نے اپنے بندے پر کلام اُتارا ہے اگر تمہیں اس کے بارے میں شک ہے تو اس کی مثل پیش کرو۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰاهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ (الزمر:19) یعنی (سچے اور اعتدال پسند مومن) وہ ہیں جو (ہر ایک) بات سنتے ہیں پھر ان میں سے جو بہترین (اور زیادہ درست) ہو اُس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے (صحیح راستہ کی طرف) ہدایت دی ہے اور یہی عقلمند لوگ ہیں۔

اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ دوسرے کی بات سننا اور اُسے وزن دینا نہ صرف یہ کہ عقلمندی کی بات ہے بلکہ ہدایت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ دراصل کسی قوم کے رہنما دوسرے مذہب کی تبلیغ سے اُسی وقت گھبراتے ہیں جب کہ انہوں نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیا ہو اور اپنے عوام کو دین نہ سکھایا ہو اور وہ حقیقتیں نہ بتائی ہوں جو ان کے مذہب کی بنیاد ہیں۔ کیونکہ جو مذہب دلائل حقہ کی دولت سے مالا مال ہو، تازہ بتازہ نشان اپنے ساتھ رکھتا ہو اور انسانی ذہن کو مطمئن کرنے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہو اُس کے پیرو کبھی بھی دوسرے مذاہب کی تبلیغ سے نہیں گھبراتے۔

تبلیغ سے گھبرانے کی دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ کسی مذہب کے ماننے والے اقتصادی پریشانیوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ ان کی قیادت کمزور اور تنظیم کا شعور نہیں رکھتی۔ ایسے حالات میں کوئی بھی پراپیگنڈا عوام کو گمراہی کی طرف دھکیل سکتا ہے۔ اگر عوام منظّم ہوں، ان کے اقتصادی حالات استوار ہوں، انہیں روحانی سکون میسر ہو تو وہ کسی نئی تبدیلی کی خواہش نہیں کر سکتے۔

پس دوسرے مذاہب کی ترقی کو روکنے کا یہ طریق نہیں کہ ان مذاہب کی تبلیغ روک دی

جائے بلکہ صحیح اقدام یہ ہے کہ سچے مذہب کے دلائل سے لوگوں کو روشناس کرایا جائے۔ روحانی تسکین کے سامان کئے جائیں۔ اقتصادی خوشحالی کو عام کیا جائے اور روحانی قیادت کا عملی نمونہ ''اُسوۂ حسنہ'' کے رنگ میں رنگین ہو۔

تبلیغ کے پیغمبرانہ طریق

تبلیغ کے صحیح اور پیغمبرانہ طریق کے بارہ میں ارشاد باری ہے کہ:۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَo وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌo وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍo وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ o (حٰمٓ السجدة : 34-37)

یعنی اس شخص سے زیادہ حسین اور مؤثر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے اور خود بھی اس کے مطابق مناسب حال اچھے عمل بجالاتا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں فرمانبردار اور امن پسند لوگوں میں سے ہوں۔ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوسکتیں۔(نیکی کے اثرات جداگانہ ہیں اور بدی کے الگ) اس لئے تبلیغی گفتگو کے دوران اگر مخالف کی طرف سے کوئی بُرا سلوک دیکھے تو) اس کا جواب انتہائی شائستگی اور حسن سلوک سے دے۔ اس طرح وہ شخص جو تجھ سے دشمنی رکھتا ہے (تیرے اس اچھے نمونہ کو دیکھ کر) تیرا گرم جوش دوست بن جائے گا اور (مخالفتوں کے طوفان کے دوران) اس قسم کے طرزِ عمل کی توفیق اُسے ہی ملتی ہے جو بڑے صبر اور حوصلہ والا ہے اور اُسے اچھے اخلاق سے حصہ وافر ملا ہے۔ اگر تجھے شیطان بار بار اُکسائے اور مشتعل کرنے کی کوشش کرے تو تُو اس کے خلاف اللہ کی پناہ طلب کر (کہ تجھے اللہ تعالیٰ صبر اور حوصلہ کی توفیق دے)۔ اللہ دعاؤں کو سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

غرض تبلیغ اُس کی مؤثر ہوسکتی ہے جو ہر لحاظ سے اس اُسوۂ حسنہ کی پیروی کرے۔

اخلاص، ہمدردی، رواداری اور جذبہ خدمت سے سرشار ہو اور دوسروں کو جو نیک بات بتائے خود بھی اُس پر عمل کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اُسوۂ حسنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ o (الانعام:163-164)

(یعنی اے محمدؐ تو لوگوں سے) کہہ دے کہ میری عبادت اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت (سب کچھ) اللہ (کی رضا) کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھے حکم ہے کہ مَیں مسلمانوں میں سے پہلے نمبر پر ہوں۔

ایک اور جگہ آپ کے اُسوۂ حسنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ (ص:87)

یعنی مَیں (دعوت الی اللہ کے اس کام کی) کوئی اُجرت تم سے نہیں چاہتا اور نہ مَیں تکلف سے بات کرنے کا عادی ہوں۔

ایک جگہ فرمایا:۔ قُلْ مَآ اَسْاَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا o

(الفرقان:58)

یعنی مَیں (خدا کا پیغام پہنچانے میں) تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ ہاں (میرا واحد مقصد اس کام سے یہی ہے کہ میری اس تبلیغ سے متاثر ہو کر) اگر کوئی چاہے تو اپنے ربّ کی طرف لے جانے والی راہ اختیار کر لے۔

اور ہر سچے مبلغ کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی کوشش رائیگاں نہ جائے۔ کوئی تو اس کی تبلیغ سے ہدایت پا جائے۔ اسی ''اُسوۂ حسنہ'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَتَوَکَّلْ عَلَی الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ o الَّذِیْ یَرٰکَ حِیْنَ تَقُوْمُ o وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ o

(الشعراء:220-218)

تو غالب آنے والے سچی محنتوں کو ضائع نہ کرنے والے خدا پر توکل کر (وہ تیری محنتوں کو ضرور پھل لگائے گا) جو تجھے اس وقت بھی دیکھتا ہے جب تُو (گوشۂ تنہائی میں) کھڑا (لوگوں کی ہدایت کے لئے دعائیں کر رہا) ہوتا ہے۔ اور اس وقت بھی دیکھتا ہے جب تُو (باہر) سجدہ کرنے والوں کے ساتھ (شاملِ سجدہ) ہوتا ہے (اور یہ تمنا لئے پھر رہا ہوتا ہے کہ کس طرح دنیا ہدایت کی راہ پر آ جائے)

اسی کیفیت کو ایک اور جگہ یوں بیان کیا:۔لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ o
(الشعراء :4)

یعنی تو (اس غم اور سوچ میں) شاید اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالے کہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔

یہ تو ہر سچے اور مخلص مبلغ کی سوچ اور تمنا ہوتی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ سچی کوشش اور اس پر استقامت اُس کا فرض ہے۔ آگے ہدایت دینا یا زبردستی منوانا اس کا کام نہیں۔

یہ اللہ کا کام ہے کہ وہ کسی کو ہدایت دے یا نہ دے۔ اس سلسلہ میں فرمایا:

اِنَّمَا اَنۡتَ مُذَکِّرٌ o لَّسۡتَ عَلَیۡھِم بِمُصَیۡطِرٍ (الغاشیه: 21-20)

کہ تو صرف مُذَکِّر اور یاد کرانے والا ہے۔ داروغہ (یا ٹھیکیدار) نہیں (کہ لوگوں کو زبردستی منواؤ) ایک اور جگہ فرمایا:

اِنَّکَ لَا تَھۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَاءُ وَھُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُھۡتَدِیۡنَ
(القصص:57)

یعنی جس کے لئے تو پسند کرے اور چاہے کہ وہ ہدایت پا جائے تو تُو اُسے ہدایت نہیں دے سکتا (اور نہ کسی کے دل میں زبردستی ہدایت ڈال سکتا ہے) کیونکہ یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے کہ جسے چاہے ہدایت دے اور وہ ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے جو ہدایت پانے کی

استعداد رکھتے ہیں (اور ہدایت کی تلاش میں ہیں۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تعلق رکھنے والی ابتدائی آیتیں یہ ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۝

(المدثر:2تا6)

یعنی اے سادہ کپڑوں میں ملبوس (اور فرض کی ادائیگی کے لئے تیار) اُٹھ (اور لوگوں کو) بیدار اور ہوشیار کر اور اپنے ربّ کی بڑائی (کی منادی) کر اور اپنے کپڑوں کو (یعنی متبعین کو) پاک کر اور گند (یعنی شرک کو لوگوں کے دلوں سے) مٹا۔

بعثت سے پہلے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی نیکی میں سب سے آگے تھے لوگوں کی ہمدردی اور ان کے کام آنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ چنانچہ آپ ؐ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے ان اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ سچائی کے عادی ہیں اور بیکس اور بے یارومددگار لوگوں کا سہارا بنتے ہیں اور ان کے بوجھ اُٹھاتے ہیں اور جو نیکیاں اور اعلیٰ اخلاق مٹ چکے ہیں انہیں دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور مہمان نواز ہیں اور لوگوں کی جائز ضروریات میں ان سے تعاون کرتے ہیں۔ ایسے اوصاف والی ہستی کو اللہ تعالیٰ کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ (1)

بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اوصاف اور بھی نمایاں ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے پیارے اور مؤثر انداز میں بات کرتے کہ جو سنتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گرویدہ ہو جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کے مؤثر انداز کی تاریخ نے سینکڑوں مثالیں محفوظ کی ہیں۔ گنجائش کے لحاظ سے دو مثالوں پر اکتفاء کی جاتی ہے۔

طفیل بن عمرو الدوسی عرب کے مشہور شاعر تھے۔ عرب کے بڑے بڑے میلوں میں

(1)۔ صحیح بخاری کتاب بدء الوحی باب نمبر 3 حدیث 3

شریک ہوتے اور داد پاتے۔آپ ایک دفعہ مکہ آئے۔ وہاں کے لوگوں کو خدشہ رہتا تھا کہ کوئی ''محمدؐ'' سے نہ ملنے پائے اور نہ ان کی باتیں سن پائے ورنہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جادو کا شکار ہو جائے گا۔ یہی کچھ انہوں نے طفیل دوسی کے بارہ میں بھی سوچا۔ ان کی اجتماعی دعوت کی۔ انہیں خوش کرنے کی ہر کوشش کی اور باتوں باتوں میں ان کو سمجھانا شروع کیا کہ وہ اس نئے ''مدّعی نبوت'' سے نہ ملیں وہ بہت بڑا جادوگر ہے۔ اپنے جادو کے اثر سے لوگوں کو قابو کر لیتا ہے۔ وہ جادو کے زور سے باپ بیٹے، میاں بیوی غرض لوگوں میں تفریق پیدا کر دیتا ہے۔ طفیل کہتے ہیں کہ پہلے تو مَیں ان کی باتوں سے متاثر ہوا اور ڈرا کہ ''محمدؐ'' کا جادو مجھ پر نہ چل جائے۔ لیکن پھر سوچا کہ آخر وہ ایک دانا شاعر ہیں۔ کھرے کھوٹے کی پہچان رکھتے ہیں پھر ڈر کس بات کا۔ کیوں نہ محمدؐ سے مل کر معلوم کریں کہ آخر ان کا جادو ہے کیا؟ چنانچہ طفیل کہتے ہیں کہ مَیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور عرض کیا کہ قریش نے تو مجھے بہت ڈرایا تھا لیکن ''مسجد حرام'' میں آپ کی تلاوت سننے کا اتفاق ہوا۔ وہ مجھے بہت اچھی لگی۔ اب اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ یہ معلوم کروں کہ آپ کہتے کیا ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے اسلام کی تعلیم پیش کی۔ اللہ کی توحید کے دلائل دیئے۔ قرآن کریم کا کچھ حصہ سنایا۔ ان سب باتوں کے لئے میرا سینہ کھل گیا۔ (طفیل کہتے ہیں کہ **لَا وَاللّٰہِ مَا سَمِعْتُ قَوْلًا قَطُّ اَحْسَنَ مِنْہُ وَلَا اَمْرًا اَعْدَلَ مِنْہُ**) اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ اور عرض کیا کہ حضورؐ میرا اپنی قوم دوس میں ایک مقام اور اثر ہے۔ حضورؐ! دعا کریں کہ دوس قبیلہ میری باتیں سنے اور اللہ مجھے یہ نشان دکھلائے کہ میری تبلیغ سے سارا قبیلہ مسلمان ہو جائے۔ چنانچہ آپؐ نے طفیل کو دعا دی کہ **اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لَہٗ اٰیَۃً** کہ میرے اللہ! طفیل کو اپنی قوم کے لئے نشان بنا دے۔ طفیل کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں اپنے قبیلہ دوس میں واپس آیا۔ پہلے اپنے والد، والدہ اور بیوی کو تبلیغ کی چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے

مسلمان ہوگئے۔ اس طرح گھر سے مطمئن ہوکر مَیں اپنے قبیلہ میں رشد وہدایت پھیلانے میں مصروف ہوگیا لیکن ابوہریرہؓ کے سوا کسی اور نے اسلام قبول نہ کیا۔ اپنی ساری کوششیں رائیگاں جاتی دیکھ کر مَیں غصہ میں بھرا دوبارہ مکہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی کہ حضورؐ قبیلہ دوس کی ہلاکت کے لئے دعا کریں۔ (اُدْعُ اللّٰہَ اَنْ یُّھْلِکَ دَوْسًا۔) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھائے اور دعا کی اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَأْتِ بِھِمْ مُّسْلِمِیْنَ کہ میرے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور ان کو مسلمان بنا کر میرے پاس لا۔ پھر آپؐ نے طفیلؓ کو ارشاد فرمایا۔ واپس جاؤ اور حوصلہ اور استقامت کے ساتھ تبلیغ کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ چنانچہ طفیل واپس گئے اور تبلیغ میں مصروف ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں میں برکت ڈالی اور 80 گھرانوں کا قافلہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُس وقت حاضر ہوئے جب کہ آپ فتح خیبر کی خوشی منا رہے تھے۔ (1)

ایک دفعہ عتبہ بن ربیع نے، جو مکہ کا سربرآوردہ سردار تھا، مکہ کے دوسرے معزّزین سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو مَیں ''محمدؐ'' کے پاس جا کر اسے سمجھاؤں کہ وہ ایسی باتوں سے باز آجائیں جو قوم میں تفریق کا باعث بن رہی ہیں۔ چنانچہ عتبہ سردارانِ مکہ کی اجازت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یوں گفتگو کا آغاز ہوا۔

عتبہ: اے میرے بھتیجے! آپ ایک معزز شہری ہیں۔ بڑے معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ایک تکلیف دہ صورت ہے جو آپ کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے اور قوم میں تفریق کا

(1)۔ (رجال حول الرسول ﷺ از خالد محمد خالد صفحہ 482 تا 484 الطفیل بن عمرو الدوسی، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2003ء)۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد جزء 4 صفحہ 439 الطبقۃ الثانیۃ من المھاجرین والانصار / الطفیل بن عمرو، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 1996ء)۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 277 تا 279 قصۃ اسلام الطفیل بن عمرو الدوسی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2001ء)

باعث بن رہی ہے۔ آپ کو کچھ تو اپنی قوم کا پاس خاطر ہونا چاہئے۔ اگر آپ کا اس تحریک سے مقصد دولت کمانا ہے تو ہم اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ آپ مکہ کے امیر ترین آدمی شمار ہوں گے۔ اور اگر آپ اقتدار چاہتے ہیں تو ہم قریش آپ کو اپنا مُختار کل بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں اور اگر یہ سب کچھ کسی بیماری کا اثر ہے تو ہم آپؐ کے علاج کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔ خدا کے لئے آپؐ سوچیں۔

جب عتبہ یہ سب کچھ کہہ چکے تو آپؐ نے جواب میں فرمایا: آپ نے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ لیا اب میری بھی سنو۔ اس کے بعد آپؐ نے قرآن کریم کی یوں تلاوت شروع کی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ حٰمٓ ○ تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○ کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ○ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُھُمۡ فَھُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ○ ...... فَاِنِ اسۡتَکۡبَرُوۡا فَالَّذِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّکَ یُسَبِّحُوۡنَ لَہٗ بِالَّیۡلِ وَالنَّھَارِ وَھُمۡ لَا یَسۡئَمُوۡنَ○

(حٰمٓ السجدة: 1-39)

یعنی اللہ کا نام لے کر جو بے حد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے مَیں پڑھتا ہوں۔ حمید اور مجید خدا کی طرف سے یہ قرآن نازل ہوا ہے جو بے حد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات خوب تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں جو کثرت کے ساتھ پڑھی جائیں گی۔ وہ عربی زبان میں ہیں اور ایسی قوم کے لئے نازل ہوئی ہے جو علم رکھتی ہے (اور جانتی ہے کہ علم کسے کہتے ہیں) تابعداروں کو خوشخبری دینے والی اور نافرمانوں کو ڈرانے والی ہے۔ ان میں سے اکثر نے اعراض کیا اور اسے سننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

آپ نے اس وقت انتالیس آیات پڑھیں۔ آخری آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ پس اگر یہ لوگ تکبر کریں (اللہ کی ان آیات کو نہ مانیں) تو وہ لوگ جو تیرے ربّ کے مقرب ہیں وہ

رات دن اُس کی تسبیح کرنے میں لگے رہتے ہیں اور کبھی نہیں تھکتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیات تلاوت کرتے رہے اور عتبہ گُم سُم حیرت میں ڈوبے یہ کلام ربّانی سنتے رہے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور پھر عتبہ سے کہا اے ابوالولید! تم نے میرا پیغام سنا۔اسی میں آپ کی باتوں کا جواب ہے۔عتبہ چپ چاپ واپس چلے گئے۔قریش نے جب ان کو اس حالت میں دیکھا تو ان میں سے بعض نے کہا جس عزم اور اِرادہ سے عتبہ گئے تھے وہ کیفیت اب نظر نہیں آتی شاید انہوں نے جادو کا اثر لے لیا ہے۔ بہر حال عتبہ نے ان کے پاس آ کر کہا اے سردارانِ مکہ! مَیں نے ایک ایسا کلام سنا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔خدا کی قسم نہ تو وہ شعر ہے اور نہ ہی جادو یا کہانت۔اس کلام میں ایک عظیم الشان پیغام ہے۔اگر میری بات مانو تو اس آدمی کو اپنا کام کرنے دو۔(یہ بات مکہ کا ایک کافر سردار کہہ رہا ہے۔لیکن مولانا مودودی بایں دعویٰ اسلام کہتے ہیں کہ آپ کی تیرہ سالہ تبلیغی کوششیں بیکار اور بے اثر رہیں۔)اگر تو عرب اس پر غالب آ گئے تو تمہاری مراد بر آئی اور اگر وہ عرب پر غالب آ گیا اور اس کا پیغام سچا نکلا تو اس کا اقتدار دراصل تمہارا اقتدار ہوگا اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور تم سعادت مندترین لوگوں میں شمار ہونے لگو گے۔اس پر قریش نے کہا اے ابوالولید! لگتا ہے کہ اس نے اپنی باتوں سے تم پر بھی جادو کر دیا ہے۔عتبہ نے جواب دیا مَیں نے اپنی رائے دے دی ہے۔اب تم جانو اور تمہارا کام۔(1)

[(دراصل یہ وہی مضمون ہے جس کی طرف حضرت موسیٰؑ کے واقعہ میں رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ نے توجہ دلائی تھی۔المؤمن :29)]

غرض بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کے مؤثر ترین ذرائع سے کام لیا۔

(1)۔السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 220 قول عتبۃ بن ربیعۃ فی امر رسول اللہ ﷺ،مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2001ء۔

حکمت،موعظت ، وعظ و تلقین ، رشد و ہدایت اور دعائیں آپؐ کے ہتھیار تھے۔اپنے مقاصد کے حصول کے لئے نہ آپؐ نے کوئی خفیہ تحریک چلائی نہ انار کی پھیلائی۔ نہ تشدّد اور مار دھاڑ سے کام لیا نہ کوئی چھاپہ ماروں کا جتھا بنایا کہ مکہ والوں کے لئے فتنہ وفساد اور بے اطمینانی کا امکان پیدا ہوتا۔ایسے حالات میں مکہ کے سرداروں کا مشتعل ہونا اور تشدد سے کام لینا بالکل بے جا تھا۔لیکن پہلے انہوں نے تمسخر اور استہزاء،توہین اور تحقیر کا ہتھیار استعمال کیا۔اس سے جب کام نہ چلا اور مسلمانوں کی ترقی نہ رکی تو انسان کے بنیادی حقوق پر ہاتھ ڈالا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے متبعین کا جینا حرام کر دیا۔آپؐ نے ہمیشہ صبر سے کام لیا اور اپنے متبعین کو بھی صبر کرنے کی تلقین کی اور مخالفین کو بار بار توجہ دلائی کہ اگر میری باتیں قبول نہیں تو نہ مانو لیکن جو میری باتیں سنتا ہے اس کے راستہ میں تو روک نہ بنو۔اس پر بھی جب کفارِ مکہ اپنے ظلم وتشدّد سے باز نہ آئے بلکہ ظلم وستم میں حد سے بڑھ گئے تو آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ جو یہاں کے حالات سے تنگ ہے وہ حبشہ کے ملک کی طرف ہجرت کر جائے کیونکہ وہاں کا بادشاہ عادل ،نرم دل اور خدا ترس ہے۔اس کے بعد بھی جب حالات نہ سدھرے تو آپؐ نے بحکم الٰہی مکہ کو چھوڑ دیا اور مدینہ میں آ بسے کیونکہ وہاں کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا تھا اور انہوں نے درخواست کی تھی کہ آپؐ ہمارے ہاں رہائش اختیار کریں۔غرض وعظ ،تلقین ،حکمت ،موعظت کی صورت میں تبلیغ کا آغاز ہوا۔اور سختی اور تشدد کے مقابلہ میں صبر وحوصلہ، درگزر اور اعراض عن الجہالت کا ارشاد نازل ہوا۔فرمایا:۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ o (الاعراف:200)

یعنی اے رسول (ان لوگوں کی زیادتیوں کے بارہ میں) درگزر سے کام لے اور نیک باتوں کی تلقین کرتا جا اور جاہل لوگوں سے اعراض کر (ان سے الجھنے کی ضرورت نہیں)

ایک جگہ فرمایا:۔

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّآ يُؤْمِنُوْنَo فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَo (سورۃالزخرف:89-90)

یعنی مجھے اپنے رسول کے اس قول کی قسم کہ اے میرے ربّ یہ لوگ تو (کسی سچائی اور کسی اخلاقی قدر کو) تسلیم نہیں کرتے (سومَیں نے اپنے اس رسول کو جواب دیا) ان سے صرفِ نظر کر اور ان کو امن وسلامتی کا پیغام دیتا رہ یہ بہت جلد (اپنے انجام کو) جان لیں گے۔

دشمن کی سختیاں جب بڑھنے لگیں تو فرمایا :۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ۔ (سورۃ الاحقاف:36)

یعنی اے میرے رسول! تُو بھی اس طرح صبر کر جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور ان پر جلد (عذاب آنے کی) دعا نہ کر وہ تو خود اس (عذاب) کو اپنے قریب دیکھ رہے ہیں جس سے ان کو ڈرایا جارہا ہے۔

مزید فرمایا:۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُo (سورۃ الشوریٰ:16)

یعنی تُو اسی (سچائی) کی طرف (لوگوں کو) بلا (کہ ہر ایک کو ضمیر و مذہب کی آزادی ملنی چاہئے) اور جو تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر قائم رہ اور ان (مخالفوں) کی خواہشوں کی پیروی نہ کر اور یہ کہہ کہ اللہ نے جو کچھ کتاب میں اُتارا ہے اُس پر مَیں ایمان لاتا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مَیں تمہارے بارے میں عدل سے کام لوں (جو اپنے لئے چاہتا ہوں وہ تمہارے لئے بھی چاہوں گا) اللہ ہمارا بھی ربّ ہے۔ اور تمہارا بھی ربّ ہے ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور تم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی (جھگڑے یا)

حجت بازی کی بات نہیں۔ اللہ (ایک دن) ہم سب کو اکٹھا کرے گا اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے۔

پھر اسی مضمون کو ایک اور جگہ دوہرایا۔ فرمایا: وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ٥ (یونس:42) یعنی اگر وہ تجھے جھٹلاتے ہیں تو (گھبرانے کی کوئی بات نہیں) تُو انہیں کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے۔ جو کچھ مَیں کر رہا ہوں اُس سے تم بری الذمہ ہو اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے مَیں بری الذمہ ہوں۔

لیکن اس سب وعظ و تلقین کے باوجود کفار کے سردار ظلم و ستم اور شرارت و فساد سے باز نہ آئے۔ آپؐ کو بھی تنگ کیا اور آپؐ کے ماننے والوں کا جینا بھی حرام کر دیا۔

ایک دفعہ آپ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل کو شرارت سوجھی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کوئی ہے جو فلاں جگہ پڑی ہوئی اونٹوں کی اوجھڑی اور آنتیں اُٹھا لائے اور جب محمد سجدہ میں جائے تو یہ گند اس کے کاندھوں اور پیٹھ پر رکھ دے۔ چنانچہ مجلس سے ایک بدبخت اُٹھا اور ذبح شدہ اونٹ کی آنتیں اور معدہ لاکر آپ کے سر اور پیٹھ پر رکھ دیا۔ آپؐ سجدے میں پڑے دعائیں کرتے رہے۔ کسی نے آپ کے گھر جا کر اطلاع دی وہاں سے ایک خاتون دوڑی دوڑی آئیں اور آپؐ کی پیٹھ پر سے یہ گند اُٹھایا۔ نماز ختم کرنے کے بعد آپؐ نے دعا کی۔ اے خدا! قریش کی ان شوخیوں کا حساب لے۔ بعض کا آپؐ نے نام بھی لیا جو بعد میں جنگِ بدر میں کام آئے۔ (1)

(1)۔(صحیح بخاری کتاب الوضوء باب اذا القی علی ظہر المصلی قذرا وجیفۃ لم تفسد علیہ صلاتہ حدیث:240)۔(صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین والمنافقین حدیث:4649)۔(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 299-298 وفاۃ ابی طالب وخدیجہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2001ء)

نماز پڑھنے سے روکنے کے اور بھی کئی واقعات تاریخوں میں بیان ہوئے ہیں۔(1)

اسی تعلق میں قرآن کریم کی یہ آیات بھی اُتریں۔ اَرَءَ یْتَ الَّذِیْ یَنْھٰیo عَبْدًا اِذَا صَلّٰیo اَرَءَ یْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْھُدٰٓیo اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰیo(العلق:10-13) یعنی اے مخاطب! اس شخص (کی معقولیت اور شرافت) تو دیکھ کہ وہ ایک (خدا کے) بندے کو نماز پڑھنے (اور عبادت کرنے) سے روکتا ہے(اس کی عبادت سے اس شخص کا کیا نقصان ہوا تھا) اے مخاطب! بھلا بتا تو سہی اگر وہ (خدا کا بندہ) سیدھی راہ پر ہو اور تقویٰ کا (اور برائیوں سے بچنے کا) مشورہ دیتا ہو(تو اس سے اس متکبر کا کیا بگڑتا ہے کہ یہ اتنا بگڑ رہا ہے)

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مسجد حرام میں کھڑے ہو کر بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی۔قریش نے جب یہ دیکھا کہ وہ ''محمدؐ '' کا کلام پڑھ رہا ہے تو انہوں نے عبداللہ بن مسعود کو پکڑ لیا اور لاتوں مکّوں اور گھونسوں سے ان کا برا حال کر دیا حالانکہ ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ اپنے ایمان اور یقین کے مطابق کلامِ الٰہی پڑھ رہے تھے۔(2)

حضرت عمارؓ،ان کے والد یاسر ؓ اور والدہ سمیہؓ پر قریش نے طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ یاسر اور سمیہّ کو بُری طرح قتل کیا اور عمار نے بڑی مشکل سے جان بچائی۔قصور صرف یہ تھا کہ وہ مسلمان کیوں ہو گئے ہیں۔

حضرت خباب بن الارتؓ ایک ماہر آہن گر تھے اور تلواریں بنایا کرتے تھے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر مسلمان ہو گئے۔قریش نے ان کا مال لوٹ لیا۔دوکان برباد کر دی۔لوہا گرم کر کے ان کے سر پر رکھتے جس کی تکلیف کی وجہ سے وہ

(1)۔(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 299 وفاۃ ابی طالب وخدیجہ،مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2001ء)
(2)۔(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 233 اول من جہر بالقرآن،مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2001ء)

تڑپ اُٹھتے لیکن حق کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے۔یہی حال حضرت بلالؓ کا تھا۔ان کو تپتی دوپہر باہر لے جاکر مارتے اور گرم پتھران کے سینہ پر رکھتے اور مطالبہ کرتے کہ محمدؐ اوراس کے دین سے انکار کرو لیکن اَحداَحد کے سوااِن کے مُنہ سے کچھ نہ نکلتا۔

ابوذر غفاریؓ صحرا کے رہنے والے تھے۔انہوں نے آنے جانے والے قافلوں سے سنا کہ مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔وہ صحرا سے مکہ آئے اور بڑی مشکلوں کے بعد کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ چلایا اور حاضر خدمت ہوئے۔کلامِ الٰہی سنا اور مسلمان ہو گئے۔آپؐ نے ابوذر سے دریافت کیا کہ کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا۔دُور صحرا کا رہنے والا ہوں اور غفار قبیلہ سے تعلق ہے جس کا پیشہ لوٹ ماراورڈاکہ زنی ہے۔آپ ؐ نے یہ سن کر فرمایا! سبحان اللہ اتنی دُور کا رہنے والا ڈاکوؤں کے قبیلہ سے تعلق رکھنے والا ہدایت پا گیا اور قریب کے رہنے والے محروم ہیں اللہ جسے چاہے وہی ہدایت پاتا ہے۔ابوذرؓ اسلام قبول کرنے کے بعد مسجد حرام گئے اور برملا اپنے اسلام کا اظہار کیا۔لوگوں نے آپ ؓ کو پکڑ لیا اور خوب مارا۔وہ تو انہیں جان سے مار ڈالتے لیکن عباس ؓ آڑے آ گئے۔انہوں نے کہا! کچھ تو ہوش کرو۔تم تاجر لوگ ہو۔تمہارے تجارتی قافلے غفار قبیلہ کے پاس سے گزرتے ہیں۔اگرانہیں پتہ لگا کہ ان کے آدمی کو آپ لوگوں نے مار ڈالا ہے تو وہ تمہارے قافلوں کا گزرنا مشکل بنا دیں گے۔کئی روز تک یہ ہنگامہ برپا رہا۔روز ان کو مار پڑتی اور روز وہ مسجد میں جا کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے۔آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مشورہ دیا کہ آزمائش بہت ہو چکی اب اپنے قبیلہ میں واپس جاؤ اور انہیں تبلیغ کرو۔ چنانچہ وہ واپس گئے اور ان کی تبلیغ سے ان کے قبیلہ کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

اب دیکھئے ابوذرؓ نے مکہ والوں کو کیا نقصان پہنچایا تھا کہ آپ کو مار مار کر اَدھ مُوا کر دیا۔

انہوں نے صرف اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہی تھی۔ اس میں مکہ والوں کا کیا حرج تھا۔ وہ ان کے قبیلہ سے کوئی تعلق بھی نہیں رکھتے تھے اس کے باوجود وہ ان کے دشمن بن گئے۔

مار دھاڑ ظلم وستم کے علاوہ مکہ والے دوسرے حیلے بھی اختیار کرتے۔ آنے والوں سے کہتے یہ جادوگر ہے اس سے نہ ملو۔ اس کی باتیں نہ سنو۔ باقاعدہ منصوبہ باندھ کر آپ کے خلاف پراپیگنڈا کا ایک طوفان بپا تھا۔(1)

لیکن اس کے باوجود جب انہیں کامیابی نہ ہوئی اور مسلمان دن بدن ترقی کرتے گئے تو آپ کو جان سے مار ڈالنے کے منصوبے بنائے۔(2)

ایک بار آپؐ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔" **اَلَا رَجُلٌ یحملنی الٰی قومہٖ فانّ قریشًا قد منعونی اَنْ اُبَلِّغَ کلام رَبّي۔**"(3)

یعنی کاش! کوئی ایسی جرأت والا شخص ملے جو مجھے اپنی قوم میں لے جا کر رکھ سکے کیوں کہ قریش نے مجھے اپنے ربّ کا کلام پہنچانے سے روک رکھا ہے اور آمادۂ پیکار رہتے ہیں۔

یہ حالات تھے جن سے تنگ آ کر آپؐ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور مدینہ چلے آئے۔ کیونکہ وہاں رہائش پذیر مسلمانوں کے حالات دن بدن ناسازگار ہوتے جا رہے تھے۔ لیکن مکہ والوں نے پھر بھی آپ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ان کی مخالفت کم نہ ہوئی اور دھمکیوں سے گزر کر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب یہ حالات آپؐ کے علم میں آئے تو آپؐ نے بھی اپنے بچاؤ اور مدینہ کی حفاظت کی تدابیر ضروری سمجھیں۔ سب سے پہلے آپؐ نے مدینہ کے انصار اور مکہ سے ہجرت کر کے آنے والوں میں مواخاۃ قائم کی اور

(1)۔السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 217 باب ذکر مالقی رسول اللہ ﷺ من قومہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2001ء

(2)۔(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 340 ہجرۃ الرسول ﷺ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2001ء)

(3)۔(سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی القرآن حدیث: 4734)۔(سنن الترمذی کتاب فضائل القرآن باب 24 حدیث 2925)

بھائی چارے کا معاشرہ تشکیل دیا کیونکہ لٹے پٹے آنے والے مہاجرین کی رہائش اور آبادکاری کا انتظام ضروری تھا۔

میثاق مدینہ

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے دوسرے عناصر یعنی یہودی قبائل کے ساتھ ایک جمہوری معاہدے کا اہتمام کیا۔ یہ اہم معاہدہ قریباً سنتالیس شقوں پر مشتمل تھا جس کی چند دفعات یوں تھیں۔

1۔ھٰذا کتابٌ من محمد النبی ﷺ بین المؤمنین والمسلمین من قریشٍ ویثرب و من تبعھم۔

2۔انَّھم اُمّۃ واحدۃٌ مِن دُوْنِ النّاس۔

3۔وَ انَّہٗ من تبعنا من یھود فان له النَّصر والاُسوۃ غیر مظلومین ولا متناصرین علیھم۔

4۔و ان یھود بنی عوفٍ اُمۃٌ مع المؤمنین للیھود دینھم وللمسلمین د ینھم۔

5۔و ان لیھود بنی النجار مثل ما لیھود بنی عوفٍ۔

6۔و ان علی الیھود نفقتھم وعلی المسلمین نفقتھم واَنَّ بینھم النصر علی مَنْ حاربَ اَھْلَ ھٰذہِ الصحیفۃ۔(1)

یعنی یہ ایک تحریری معاہدہ ہے جو محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانان قریش اور یثرب کے رہنے والوں اور ان کے حلفاء کے درمیان طے پایا ہے۔

اس معاہدہ میں شامل تمام طبقات ایک اُمت ایک قوم شمار ہوں گے اور اس معاہدہ میں جو یہود شامل ہیں ضرورت کے وقت اُن سب کی مدد کی جائے گی۔ اور ان کے خلاف کسی قسم کا ظلم برداشت نہیں ہوگا اور نہ ان کے خلاف کسی اور کی مدد کی جائے گی۔

(1)۔(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 353 تا355 کتابہ ﷺ بین المہاجرین والانصار......مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2001ء)۔(مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ از محمد حمید اللہ صفحہ 59 تا 62 کتابہ ﷺ بین المہاجرین والانصار......مطبوعہ دار النفائس بیروت 1985ء)

اور یہودی قبائل مدینہ کے جس قبیلہ کے حلیف ہیں وہ اُس قبیلہ کے ساتھ ایک قوم شمار ہوں گے۔ مثلاً:۔

بنوعوف کے حلیف یہودی، بنوعوف کے ساتھ اور بنونجار کے حلیف یہودی، بنونجار کے ساتھ یکساں حقوق کے مالک ہوں گے۔ غرض مختلف مسلمان قبائل کے حلیف یہودی سارے مسلمانوں کے ساتھ بطور اُمّت واحدہ شامل سمجھے جائیں گے۔ لیکن یہ شمولیت اور مساوات صرف دنیوی اور انسان کے بنیادی حقوق تک محدود ہوگی ورنہ دین و مذہب میں ہر شخص آزاد ہوگا۔ یہودیوں کا اپنا دین ہے اور مسلمانوں کا اپنا دین ہے۔ اس میں ایک دوسرے کو دخل دینے کی اجازت نہ ہوگی۔

قومی ضرورت کے وقت ہر گروہ اپنے اپنے اخراجات کا ذمہ دار ہوگا۔ مسلمان اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے اور یہودی اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے۔ اگر کوئی دوسرا معاہدہ میں شامل قوم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوگا تو سب مل کر اس کا مقابلہ کریں گے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی امن کے معاہدے مدینہ کے اِردگرد بسنے والے بعض قبائل سے بھی کئے۔ جہاں جانا ضروری سمجھا وہاں بذاتِ خود گئے۔ مقصد یہ تھا کہ مدینہ کے ماحول کو پُر امن رکھا جائے اور قریش مکہ جو فتنہ وفساد پر تلے ہوئے ہیں کسی اہم قبیلہ کو شرارت پر نہ اُکسا سکیں۔

دفاعی جنگ کی اجازت

بہرحال کفار مکہ کی شدید مخالفت کے اس ماحول میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مقابلہ کی اجازت ملی۔ چنانچہ فرمایا:۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ن o الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ

دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوَاتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا وَّلَيَنصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌo(سورۃ الحج:40-41)

یعنی وہ لوگ جن سے (بلاوجہ) جنگ کی جارہی ہے ان کو بھی مقابلہ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ ایسے مظلوموں کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ (مظلوم لوگ) وہ ہیں جن کو اُن کے گھروں سے ناحق نکالا گیا صرف اتنا کہنے پر کہ ہمارا ربّ اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض دوسروں کے ذریعہ (شرارت سے) باز نہ رکھے تو (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں کی) عبادت گاہیں اور (دوسرے مذاہب کی) خانقاہیں اور خاص طور پر مساجد جن میں اللہ کو بکثرت یاد کیا جاتا ہے (یہ سب) برباد کردیئے جائیں گرادیئے جائیں۔ اور اللہ یقیناً اُس کی مدد کرے گا جو اللہ کی (رضا کی خاطر حق کی) مدد کرتا ہے۔ اللہ یقیناً بہت طاقت والا اور غالب آنے والا ہے۔

ان آیات کریمہ میں مندرجہ ذیل امور کی وضاحت ثابت ہے۔

1۔ مسلمانوں کو جبراً ان کے گھروں سے نکالا گیا اور ان پر ظلم کیا گیا، نہ یہ کہ وہ جنگ کا منصوبہ بنا کر مکہ سے نکلے۔ جیسا کہ **اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ** سے ظاہر ہے۔

2۔ جنگ کی ابتداء کفار کی طرف سے ہوئی اور مسلمانوں نے جو مظلوم تھے اس کا دفاع کیا نہ یہ کہ انہوں نے لوگوں کو بجبر مسلمان بنانے کے لئے تلوار ہاتھ میں لی۔ جیسا کہ **اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا** سے ظاہر ہے۔

3۔ دفاع اور مقابلہ کا مقصد صرف اپنا بچاؤ ہی نہیں بلکہ مذہب کی آزادی کا تحفظ اور مقامات مقدسہ کو ویرانی سے بچانا بھی ہے۔ جیسا کہ **وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ** سے ظاہر ہے۔

4۔ جو قوم خلوص دل سے ان شرائط کے تحت اس مقصد عظیم کے لئے لڑتی ہے اللہ اس کی

مدد کا ذمہ دار ہے جیسا کہ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ کا منشاء ہے۔

5۔اور جس کی مدد کا اللہ ذمہ لے لے وہ ضرور کامیاب و کامران ہوتی ہے جیسا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ کا مفہوم ہے۔

جہاد بالسیف کے سلسلہ میں ہی فرمایا:۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَo وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْہِ فَاِنْ قَاتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَo فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَo (سورۃ البقرہ: 191-194)

یعنی اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ اور کسی پر زیادتی نہ کرو اللہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ اور جہاں بھی ان (ناحق لڑنے والوں) کو پاؤ ان کو قتل کرو اور تم بھی ان کو اس جگہ سے نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا تھا اور یہ (مذہبی آزادی کا سلب کرنا اور اختلاف مذہب کی بنا پر لوگوں کو گھر سے نکالنا) ایسا فتنہ ہے جو (ایسے چند شریروں کے) قتل سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ اور تم ان سے مسجد حرام (کے قرب و جوار) میں اُس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک وہ خود جنگ (کی ابتدا) نہ کریں۔ اور اگر وہ تم سے وہاں بھی جنگ کریں تو تم بھی ان کو تلوار کے گھاٹ اتارو۔ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں (اور مسلمانوں سے لڑنا چھوڑ دیں) تو اللہ یقیناً بڑا بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے (نادم کی وہ توبہ قبول کرتا ہے)۔ اور تم ان سے اس وقت تک جنگ کرو کہ (مذہبی آزادی سلب کرنے کا) فتنہ باقی نہ رہے اور دین (کا قبول کرنا) صرف اللہ کی (رضا کی) خاطر ہو (نہ کہ کسی کے ڈر یا خوف کی بنا پر)۔ اور اگر وہ (ظلم

سے) باز آجائیں تو (پھر تم انہیں کچھ نہ کہو اور یاد رکھو کہ) ظالموں کے سوا کسی پر گرفت اور سختی (جائز) نہیں۔

ان آیات سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:۔

1۔ دین و مذہب کی خاطر یعنی اللہ کی راہ میں لڑنا صرف ان لوگوں سے روا ہے جو مذہب میں جبر کے قائل ہیں اور مذہبی آزادی سلب کرنے کے لئے لڑتے ہیں جیسا کہ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ سے ظاہر ہے۔

2۔ ان آیات سے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ کے مفہوم کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ مراد حملہ آور مشرک ہیں، گھروں سے مسلمانوں کو نکالنے والے مشرک ہیں۔ ہر ایک مشرک مراد نہیں۔

3۔ ان آیات سے فتنہ کے معنے بھی کھلتے ہیں کہ اس جگہ فتنہ سے مراد مذہب میں جبر کرنا اور اختلاف مذہب کی وجہ سے لوگوں کو ان کے گھروں سے زبردستی نکالنا ہے جیسا کہ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ کے معاً بعد فرمایا وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔

4۔ دین کی تبدیلی کی بنیاد اللہ کی رضا اور اُس کی خوشنودی ہے اور کسی لالچ یا ڈر کی وجہ سے اپنا دین بدلنا جائز نہیں۔ جیسے فرمایا وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ۔

5۔ جنگ کی صورت میں بھی اعتدال کو مدّ نظر رہنا چاہئیے ۔ زیادتی ہرگز نہیں کرنی چاہئیے ۔ جیسے فرمایا: فَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔

6۔ کافر اگر ظلم و ستم سے باز آجائیں اور مذہب کے بارہ میں جبر سے کام لینا چھوڑ دیں تو پھر مسلمانوں کے لئے ان سے لڑنا جائز نہیں ہوگا۔ فرمایا: فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۔ نیز فرمایا فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔

اسلامی جنگوں کے آداب

1۔ جنگ میں پہل نہیں کرنی چاہئیے اور نہ اس کی طرح ڈالنی چاہئیے۔

2۔ دشمن کی زیادتیوں کا اسی قدر بدلہ لیا جائے جس قدر انہوں نے زیادتی کی ہے۔ اس سلسلہ میں بھی اگر بھلائی اور بہبود اور اصلاح درگزر اور معافی میں نظر آئے تو معاف کر دیا جائے جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ سے ثابت ہے۔

فرمایا:۔

فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَo (البقرۃ:195)

پس جو تم پر زیادتی کرے (اور حملہ میں پہل کرے) تو تم بھی اس کی زیادتی کے مطابق بدلہ لے سکتے ہو اور اس میں بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (فتنہ کا انسداد اور اصلاح مدِّ نظر ہو) اور اچھی طرح جان لو کہ اللہ متقیوں کا ساتھ دیتا ہے۔

مزید فرمایا:۔

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَھُمُ الْبَغْیُ ھُمْ یَنْتَصِرُوْنَo وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَo (الشوریٰ:40-41)

اور جب ان (سچے مسلمانوں) پر ظلم ہوتا ہے تو وہ ظلم کے مطابق بدلہ لیتے ہیں (زیادتی نہیں کرتے) اور جو (مومن تقاضۂ حالات کے مطابق) معاف کر دیتے ہیں اور ان کے مدِّ نظر اصلاح ہوتی ہے تو ان کا اجر اور ثواب اللہ کے ذمہ ہے اور یقیناً وہ (اللہ) ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

3۔ جنگ کے بغیر یونہی لوگوں کو پکڑ لینا اور قیدی بنا لینا جائز نہیں۔ ہاں اگر یہ پختہ خبریں ملیں کہ کوئی ملک یا گروہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے تو مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہوگا کہ ان کو تیاری کا موقع نہ دیں تا کہ ان میں مقابلہ میں آنے کی سکت نہ رہے۔ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌo (سورة الانفال68:8)

یعنی یہ نبی کی شان نہیں (اور نہ اس کے لئے جائز ہے) کہ وہ (مخالف کی طرف سے مسلط کی ہوئی) خون ریز جنگ لڑے بغیر لوگوں کو قیدی بنالے (اگر تم لڑائی کے بغیر لوگوں کو قید بناؤ گے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ) تم دنیوی سامان کے طالب ہو حالانکہ اللہ آخرت چاہتا ہے (تمہاری نظر بھی آخرت اور انجام پر ہونی چاہیئے۔ دنیوی سامان تو آنی جانی چیزیں ہیں) اور اللہ غالب آنے والا اور بڑی حکمتوں والا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاْ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْo (سورة محمدؐ:5)

یعنی (یہ کافر جو اللہ کی راہ سے زبردستی روکتے ہیں اور تم سے جنگ آزما ہیں) اگر تمہاری ایسے کافروں سے مڈھ بھیڑ ہو تو (حسبِ ضرورت) ان کی گردنیں اُڑاؤ یہاں تک کہ جب تم خون ریز جنگ کر چکو (اور غالب آجاؤ) تو ان کی مشکیں کس (کر باندھ) لو پھر (اس کے بعد) یا تو احسان کرو (اور ان کو مفت چھوڑ دو) یا فدیہ (اور تاوان جنگ) لے لو (اور اس طرح ان کو رہا کر دو) (یہ اس لئے کرنا ہے) تا کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔ (لڑائی کے

اسباب کا قلع قمع ہو جائے) یہی (جنگ کا اُصول) ہے اور اگر اللہ چاہتا تو (صرف آسمانی عذابوں کے ذریعہ) ان سے بدلہ لے لیتا لیکن اس نے چاہا کہ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمائے اور جو لوگ (اس آزمائش میں) اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں اللہ ان کے اعمال کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ (دنیا میں بھی اللہ اس کا بدلہ دے گا اور آخرت میں بھی ثواب عطا کرے گا)

4۔ جنگ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی چوتھی ہدایت یہ ہے کہ جو لوگ جنگ کے دوران صلح کے طالب ہوں اور امن و امان کے ساتھ رہنے کی پیشکش کریں تو ان کی اس پیشکش کو قبول کر لیا جائے اور امن کے قیام میں ان کا تعاون حاصل کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوۡا وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰٓى اِلَيۡكُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ۚ تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيۡرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ فَتَبَيَّنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ۝ (النساء:95)

اے وہ جو (اللہ اور اس کے رسول پر) ایمان لائے ہو جب تم اللہ کی راہ میں (جنگ کی غرض سے) سفر کرو تو خوب چھان بین کر لیا کرو (بڑی احتیاط سے کام لو) اور جو تمہیں سلامتی پیش کرے (اور امن کا طالب ہو) تو یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو (تم دل سے امن و امان نہیں چاہتے اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس کے یہ معنے ہوں گے) تم دنیوی زندگی چاہتے ہو (اور تمہاری نظر مالِ غنیمت پر ہے) حالانکہ خدا کے پاس غنیمتوں کے خزانے ہیں (وہی تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا) تم بھی پہلے ایسے ہی تھے (کہ لوگوں سے امن و امان سے رہنے دینے کے مطالبے کرتے اور لوگ تمہاری بات نہ مانتے اور تم پر ظلم ڈھاتے) اب جب کہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے (اور تمہیں اقتدار بخشا ہے تو تم بہتر نمونہ دکھاؤ) پس اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو (کہ صدق دل سے امن کی پیشکش ہو رہی ہے یا اوپر اوپر سے مہلت کے بہانے

تلاش کئے جا رہے ہیں) اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ یقیناً آگاہ ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَاِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُo(الانفال:62)

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَo (الانفال :59)

یعنی اگر وہ (مخالف) صلح (کے معاہدے) کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو (اور صلح کا معاہدہ کرلو) اور اللہ پر توکل کرو (اس پر بھروسہ رکھو) اللہ یقیناً بہت (دعائیں) سننے والا اور (دلوں کا حال) جاننے والا ہے۔

اور اگر تمہیں کسی معاہد قوم سے خیانت کا ڈر ہو (یعنی معاہدہ شکنی کا اندیشہ ہو) تو ان سے معاہدے کے ختم ہونے کا کھلے بندوں اعلان کر دو (تا کہ دونوں فریقوں کے علم میں آ جائے کہ اب معاہدہ ختم ہے) اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (اس لئے تمہاری طرف سے کسی خفیہ سازش یا خیانت کی کوئی صورت ظاہر نہیں ہونی چاہئے۔)

اس سلسلہ میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ مصالحت کی کوشش کی ایک بہترین مثال ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن 6 ہجری کے قریب عمرہ اور مسجد حرام کی زیارت کا ارادہ کیا کیونکہ خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ اور مسجد حرام شعائر اللہ تھی اور ان مقدس مقامات کی زیارت کرنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دوسرے مسلمانوں کو حق تھا اور اس حق کے حصول میں کسی کو روک نہیں بننا چاہئے تھا۔

بہرحال آپؐ چودہ سو ساتھیوں کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر بسوئے مکہ روانہ ہوئے۔ جب آپ حدیبیہ کے مقام تک پہنچے تو مکہ کے قریش کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکی دی گئی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ میں داخل ہوا تو زندہ واپس نہیں جا سکے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو پیغام بھجوایا کہ ہم کسی جھگڑے یا جنگ کے لئے نہیں آئے بلکہ عمرہ

کرنے اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کرنے کی غرض سے آئے ہیں اس لئے اہل مکہ کی مزاحمت بیجا ہے۔لیکن مکّہ والے جنگ کے لئے تلے ہوئے تھے اور اس کے لئے بہانے ڈھونڈ رہے تھے لیکن دوسری طرف آپ کی یہ کوشش تھی کہ جنگ تک نوبت نہ پہنچے اور کسی طرح اہلِ مکہ عمرہ کرنے کی اجازت دے دیں۔

چنانچہ مصالحت کے لئے آنے والے ایک وفد نے واپس مکہ جا کر کہا:۔

اَنَّہٗ لَمْ یأْتِ یُرِیْدُ حربًا واِنَّما جاءَ زَائِرًا لِلْبَیْتِ ومُعَظِّمًا لِحُرمَتِہٖ۔

کہ آپؐ جنگ کی غرض سے نہیں آئے بلکہ بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں اور اس کی حرمت کی تعظیم چاہتے ہیں۔احابیش کا ایک اور وفد آیا اُس کے سردار نے واپس جا کر کہا:**یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ وَاللّٰہ مَا عَلٰی ھٰذا حَالَفْنَاکُمْ ولَا عَلٰی ھٰذا عَاقَدْنَاکُم اَیُصَدُّ عَنْ بَیْتِ اللّٰہِ مَنْ جَاء مُعَظِّمًا لَّہٗ**۔اے قریش! ہم تمہارے اس لئے حلیف نہیں بنے تھے اور نہ ہی اس بات پر تمہارے ساتھ عہد باندھے تھے۔کیا تم اس شخص کو بیت اللہ سے روکتے ہو جو اس کی تعظیم کے ساتھ آتا ہے۔

آخر وفود کا تبادلہ ہوا۔بات چیت ہوئی اور انجام کار ایک صلح نامہ طے پایا جو ''صلح حدیبیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔اس صلح نامہ کی چند اہم شقیں یہ تھیں۔

i۔اس سال مسلمان مکہ میں داخل نہ ہوں بلکہ واپس چلے جائیں البتہ اگلے سال وہ بغیر اسلحہ کے آئیں اور عمرہ کر کے واپس چلے جائیں۔

ii۔اس معاہدہ صلح کے بعد مکہ کا جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا۔قریش کے مطالبہ پر مسلمان اُسے واپس کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔لیکن اگر مدینہ کا کوئی آدمی اسلام چھوڑ کر مکہ آجائے گا تو مکہ والے اُس کی واپسی کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔

iii۔دس سال تک آپس کی جنگی کارروائیاں بند رہیں گی اس کے بعد حسبِ حالات نیا معاہدہ ہوگا۔

اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ایسا معاہدہ کرنے پر سخت رنجیدہ تھے جس میں مکہ والوں کی قریباً ساری شرائط مان لی گئی تھیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر امن و امان کا ماحول قائم کرنے پر تھی اور آپؐ ہر قیمت پر صلح چاہتے تھے۔

(صلح کی شدید خواہش کا ایک اور واقعہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیرت انگیز حکمتِ عملی کا آئینہ دار ہے، یہ ہے کہ باوجود اس کے قریش کسی بھی بہانے صلح سے گریز کے درپَے تھے مگر آپؐ نے اسے ہر قیمت پر ممکن بنایا۔ چنانچہ لکھوایا۔ **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم** ۔قریش کے نمائندہ سہیل نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ یہ کلمات ان کے ہاں متعارف نہیں۔ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے۔ **باسمک اللّٰھمّ** لکھو۔ آپؐ نے فرمایا: اچھا ایسا ہی سہی۔ یہ بھی اللہ کے ذکر کا ایک طریق ہے۔ پھر آپؐ نے لکھوایا۔ **ھٰذا ما صالح علیه محمد رسول اللّٰه سهیل بن عمرو** ۔اس پر سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ ہم تو آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے۔ سارا جھگڑا تو اسی بات پر ہے۔ محمد بن عبداللہ لکھا جائے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا یونہی سہی۔ یہ بھی درست ہے کیونکہ میں محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔)

تاکہ صلح کے ماحول میں تبلیغ کے راستے کھلیں۔ لوگوں کا آنا جانا آسان ہو جائے اور لوگ کلامِ الٰہی سن سکیں چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ یہ صلح اتنی بابرکت ثابت ہوئی اور اس کثرت کے ساتھ تبلیغی وفد بھیجے گئے اور اطراف کے بادشاہوں کو تبلیغی خط لکھے گئے کہ اس سے پہلے اس کے دسویں حصہ کے برابر بھی کوشش نہ ہو سکی تھی۔ اس طرح اس دوران میں اس کثرت کے ساتھ لوگ مسلمان ہوئے کہ دو سال بعد اہلِ مکہ کی معاہدہ شکنی کے نتیجہ میں جب آپؐ قریش سے باز پرس کرنے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپؐ کے ساتھ دس ہزار قدوسی تھے جبکہ صلح

حدیبیہ کے موقع پر آپؐ کے ساتھیوں کی تعداد کل چودہ سو تھی۔ (1)

5۔ جنگ کے آداب کے سلسلہ میں اسلام کی پانچویں ہدایت یہ ہے کہ جب دشمن جنگ میں شکست کھا کر مغلوب ہو جائے تو جہاں تک ممکن ہو قتلِ عام سے پرہیز کیا جائے بلکہ اگر حالات اجازت دیں تو معافی کا اعلانِ عام کر دیا جائے جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے ظاہر ہے۔

فتح کے بعد آپؐ نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تم نے سالہا سال مخالفت کی۔ مسلمانوں پر ظلم ڈھائے اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ وہ جانتے تھے ان سے مخاطب ایک رحیم وکریم ذات ہے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا: جو ایک شریف اور کریم بھائی اپنے خطا کار بھائیوں سے روا رکھ سکتا ہے اور جو یوسف نے اپنے بھائیوں کے ساتھ روا رکھا تھا۔ آپؐ نے اس پر فرمایا: میرا یہی ارادہ تھا۔ **اِذْ هَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاء لا تثرِیب علیکم الیومَ یَغفِر اللّٰه لکم** ۔ جاؤ تم آزاد ہو (کسی قسم کی سزا تو کیا) آج کا دن کسی کی ملامت کا دن ہے اور نہ کسی سرزنش کا اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے۔

اس مہم میں آپؐ نے خون ریزی سے بچنے کے لئے کئی تدابیر اختیار فرمائیں۔ ایک تو مکہ کی طرف اپنی روانگی کو خفیہ رکھا (**رواہ الشیخان**)۔ دوسرے ہدایت تھی کہ صرف مزاحمت کرنے والوں کا خاتمہ کیا جائے۔ جب فاتحین کا جلوس مکہ کی سڑکوں سے گزر رہا تھا تو انصار کے عَلَم بردار حضرت سعد بن عبادہؓ نے جوش میں آ کر نعرہ لگایا:۔ **الیوم یومُ الملحمة، الیوم تستحِلّ الحرمة، الیوم اَذَلَّ اللّٰه قریشًا** کہ آج قتلِ عام کا دن ہے اور آج

(1)۔(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 681 تا687، 690 امر الحدیبیۃ فی آخر سنۃ ست...... مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2001ء)۔(مسند احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 268-267 مسند علی بن ابی طالب حدیث نمبر 656 مطبوعہ بیروت 1998ء)

کعبہ کی حرمت بھی حلال ہوجائے گی۔ آج اللہ تعالیٰ کی طرف سے قریش کے لئے ذلّت کے سامان ہوں گے۔ آپؐ تک جب یہ خبر پہنچی تو ناراض ہوئے کیونکہ ایسے موقع پر اس قسم کے نعرے اشتعال پیدا کر سکتے تھے اور خون ریزی کا باعث بن سکتے تھے اس لئے انہیں ناپسند فرمایا اور سعد سے جھنڈا لے کر ان کے لڑکے کے سپرد کر دیا تا کہ سعد کو سرزنش بھی ہوجائے اور ان کا دل بھی میلا نہ ہو کیوں کہ بیٹے کے سپرد جھنڈا ہونے کے یہی معنے ہیں کہ گویا سرداری کا یہ جھنڈا ان کے گھر میں ہی رہا۔ (1)

اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کروایا کہ جو شخص مسجد حرام میں پناہ لے گا اُسے بھی کچھ نہیں کہا جائے گا۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر جا کر پناہ لے گا اُسے بھی کچھ نہیں کہا جائے گا۔ جو اپنے گھر میں دروازے بند کر کے بیٹھ رہے گا اُسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اس اعلان سے آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں میں جوش نہ بڑھے اور وہ امن کی خاطر پُر سکون رہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بعض ''جنگی مجرموں'' کا بھی اعلان فرمایا اور کہا کہ یہ لوگ جہاں بھی ملیں ان کی گردن اُڑا دی جائے کیونکہ ان کے جرائم واضح اور بھیانک تھے ایسے گیارہ اشخاص تھے لیکن جب عمل کا وقت آیا تو ان میں سے بھی سات کو نہ صرف معاف فرمادیا بلکہ بعض کی دلداری بھی فرمائی اور ان کی دلجوئی بھی کی۔

ایسے سات افراد کے نام یہ ہیں جنہیں سزاوارِ قتل قرار دینے کے باوجود معافی دے دی گئی۔ صفوان بن اُمیہ، عکرمہ بن ابی جہل، عبداللہ بن سعد ابی سرح، وحشی بن حرب، کعب بن زہیر، ہبار بن الاسود، عبداللہ بن الزبعری۔ ان میں سے دو کے بارہ میں کچھ تفصیل بیان کرنا

(1)۔ (شرح العلامۃ الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ از علامہ حافظ شہاب الدین قسطلانی جلد 3 صفحہ 407۔ غزوۃ الفتح الأعظم، دار الکتب العلمیہ بیروت 1996ء)۔ (کتاب المغازی للواقدی جلد دوم صفحہ 256 شان غزوۃ الفتح، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2004ء)

مناسب ہوگا۔

1۔صفوان بن اُمیہ مکہ کے سرداراور معاندین کے سرخیل تھے۔ ہراس منصوبہ میں شامل ہوتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کواذیت پہنچانے کے لئے بنایا جاتا۔ فتح مکہ کے دوران جب انہیں پتہ چلا کہ انہیں قتل کرنے کا حکم دیا جاچکا ہےتو وہ مکہ سے بھاگ کر جدہ چلے گئے تا کہ وہاں سے یمن کی طرف نکل جائیں۔ان کے ایک عزیز عمیر بن وھب الجمعی جو مسلمان ہوچکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اورعرض کیا کہ حضور! صفوان میری قوم کے سردار ہیں آپ انہیں معاف فرمادیں۔آپؐ نے ان کی سفارش مان لی اورفرمایا صفوان کوامان دیجاتی ہے۔عمیر نے عرض کیا کہ حضور! کوئی نشانی عنایت فرمادیں جس سے صفوان کو یقین آجائے کہ انہیں معاف کردیا گیا ہے۔آپؐ نے اپنی وہ پگڑی بطور نشان عطا فرمائی جو مکہ میں داخل ہوتے وقت آپؐ نے پہنی ہوئی تھی۔امان کا یہ نشان لے کر عمیر جدہ گئے اور صفوان سے جا کر کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔اپنے آپ کو ہلاکت سے بچائیں۔ اللہ کے رسولؐ نے آپ کو معاف کردیا ہے۔لیکن صفوان کو یقین نہ آیا۔اس پرعمیر نے کہا: اللہ کے رسولؐ بڑے رحیم وکریم انسان ہیں ان کی عزت میں آپ کی عزت ہے آپ مجھ پر اعتبار کریں اور میرے ساتھ چلیں۔سب کچھ آپ کومعلوم ہوجائے گا۔آخرصفوان مان گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا یہ عمیر کہتا ہے کہ آپ نے میری جان بخشی کی ہے آپؐ نے فرمایا عمیر ٹھیک کہتا ہےاس پر صفوان نے کہا کہ اس کے باوجود آپؐ مجھے معاف کرتے ہیں کہ مَیں ابھی مسلمان نہیں ہوتا آپؐ نے فرمایا ہاں جتنی مدّت چاہوغورکرو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا کوئی جبر کی بات نہیں۔انہی دنوں حنین کی جنگ درپیش آئی۔صفوان مال دار آدمی تھے اوران کی ملکیت میں بہت سے زرہیں تھیں جو لڑائی کے وقت وہ اپنے حامیوں کو دیا کرتے تھے آپؐ نے صفوان سے سو کے قریب زرہیں

مانگیں۔اس پر صفوان نے کہا: اَغَصۡبًا یَا محمد یعنی اے محمدؐ! آپ زبردستی یہ زرہیں مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں۔آپ نے فرمایا: نہیں بَلۡ عَارِیَۃٌ مَضۡمونۃٌ یعنی عاریۃً لینا چاہتا ہوں اور واپسی کا ذمہ دار ہوں۔صفوان باوجود مسلمان نہ ہونے کے حنین کی جنگ میں شریک ہوئے۔فتح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ واپس آرہے تھے کہ ایک وادی سے گزر ہوا جو مالِ غنیمت کے جانوروں (بھیڑوں اور بکریوں) سے بھری ہوئی تھی۔صفوان حیرت میں ڈوبے اتنے کثیر مال و متاع کو دیکھتے رہ گئے۔آپؐ نے صفوان کی حیرت کو بھانپ لیا اور پوچھا: صفوان کیا یہ مال ومتاع تمہیں اچھا لگتا ہے؟ صفوان نے جواب دیا: اتنا کثیر مال کس کو اچھا نہیں لگتا۔آپؐ نے اس پر فرمایا: تو یہ سب مال مَیں تمہیں بخشتا ہوں۔ صفوان کی حیرت اور بھی بڑھ گئی اور بے اختیار ان کے منہ سے نکلا:۔

مَا طابَتۡ نَفۡسُ اَحَدٍ بِمِثۡلِ ھٰذا اِلَّا نفسُ نَبِیٍّ ۔

کہ اس قدر کثیر مال بخوشی عطاء کرنے کا نبی کے سوا کوئی اور حوصلہ نہیں پاسکتا۔ یہ کہا اور اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ (1)

2۔عکرمہ بن ابی جہل معاندت اور دشمنی میں کسی سے کم نہ تھے۔ ان کی وجہ سے مسلمانوں نے بہت دُکھ اُٹھائے تھے۔ان کے بارہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تھا کہ وہ جہاں ملیں ان کی گردن اُڑا دی جائے۔ وہ اس ڈر کے مارے یمن کی طرف بھاگ گئے۔ان کی بیوی اُمِّ حکیم بنت الحارث مسلمان ہو چکی تھیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: آپ عکرمہ کو معاف کردیں تاکہ وہ مکہ واپس آسکیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کہتی ہو تو معاف کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے خاوند کی تلاش میں نکلیں۔ساحل سمندر پر پہنچیں تو جہاز لنگر اُٹھا چکا تھا۔لیکن ابھی ساحل کے قریب

(1)۔تاریخ الخمیس از شیخ حسین بن محمد جلد 2 صفحہ 94-93

ہی تھا۔اُم حکیم نے اپنا دوپٹہ ایک لمبی سی لکڑی پر باندھا اور اُسے ہوا میں لہرایا۔یہ اس بات کی علامت سمجھا گیا کہ کوئی مصیبت زدہ عورت فریاد کر رہی ہے۔چنانچہ جہاز رُک گیا۔اُم حکیم ایک چھوٹی کشتی (زَوْرق) میں بیٹھ کر جہاز تک پہنچیں اور عکرمہ سے کہا اے میرے چچا کے بیٹے! جِئْتُکَ مِنْ عِنْدِ اَوْصَلِ النَّاسِ وَ اَبَرِّ النَّاسِ وَ خَیْرِ النَّاسِ۔یعنی مَیں ایک ایسی جناب کے پاس سے آئی ہوں جو صلہ رحمی کرنے میں سب سے بڑھ کر ہے۔احسان میں اُس کی کوئی نظیر نہیں۔انسانوں میں سے بہترین انسان ہے۔اپنے آپ کو ضائع نہ کرو۔میری بات مانو اور میرے ساتھ مکہ واپس چلو۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امان دے دی ہے۔چنانچہ عکرمہ اپنی بیوی کے ساتھ واپس مکہ کی طرف چل پڑے۔ابھی عکرمہ راستہ میں ہی تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا: عکرمہ واپس آ رہا ہے۔اُس کے والد کو اس کے سامنے بُرا بھلا نہیں کہنا۔فَاِنَّ سَبَّ الْمَیِّتِ یُؤْذِی الْحَیَّ وَلَا یَلْحَقُ الْمَیِّت کہ مرنے والے کی برائی کرنے سے اُس کے زندہ رشتہ داروں کو تکلیف پہنچتی ہے اور میت تک یہ بُرا ذکر پہنچتا نہیں اور نہ وہ سن سکتا ہے اس لئے ایسے عبث فعل سے مومن کو بچنا چاہیئے۔

بہر حال عکرمہ اُم حکیم کی معیت میں مکہ پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اُم حکیم نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ عکرمہ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔آپؐ یہ بات سن کر خوشی سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ہاں ہاں دیر کیا ہے؟ عکرمہ کو جلد لے آؤ۔جب عکرمہ سامنے آئے تو آپؐ نے کہا: مَرْحَبًا بِالرَّاکِبِ الْمُھَاجِر خوش آمدید اے مہاجر سوار۔اتنا شاندار اعزاز دیکھ کر عکرمہ حیرت میں ڈوب گئے۔پھر عرض کیا میری بیوی اُم حکیم کہتی ہے کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے۔آپؐ نے فرمایا وہ بالکل ٹھیک کہتی ہے۔عکرمہ کو وہ ساری زیادتیاں اور ظلم یاد آ گئے جو وہ ماضی میں کر چکے تھے۔ان کا سر شرم کے مارے جھک

گیا اور بے اختیار بول اُٹھے اَشْهد ان لآ الٰه الَّا اللّٰه وحدهٗ لا شریک لهٗ وانّک عبد اللّٰه ورسوله ...... وَقَالَ اَنْتَ اَبَرُّ النَّاسِ وَاَوْفَی النَّاسِ۔ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور آپؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں...... اور مجھے یہ بھی یقین ہو گیا ہے کہ آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ احسان کرنے والے ہیں، وعدہ وفا کرنے کرنے والے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ سے فرمایا: جو مانگنا ہے مانگ لو میری دسترس میں جو کچھ ہوا دوں گا۔ عکرمہ نے عرض کیا: میری بخشش کے لئے دعا کی جائے کہ جو دشمنیاں اور عداوتیں میں کر چکا ہوں اور جو گالیاں دے چکا ہوں وہ سب اللہ معاف کر دے۔ آپ نے ہاتھ اُٹھائے اور جناب الٰہی میں یوں دعا کی۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعِكْرَمَةَ كُلِّ عَدَاوةٍ عَادَ نِيْهَا اَوْ مَنْطَقٍ تَكَلَّم بِهٖ۔ اے میرے اللہ! تو عکرمہ کی وہ تمام عداوتیں، دشمنیاں، زیادتیاں اور برے بول جو اس نے میرے متعلق روا رکھے معاف کر دے۔ اس کے بعد عکرمہ نے عرض کیا: حضور میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کلمہ شہادت کثرت کے ساتھ پڑھا کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دو۔

عکرمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عہد کیا کہ مَیں جتنا اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے خرچ کیا کرتا تھا اب اس سے دوگنا اللہ کی راہ کی طرف بلانے کے لئے خرچ کروں گا اور جتنی جنگیں مَیں نے اللہ کے راستہ سے روکنے کے لئے لڑی ہیں اس سے دوگنی اللہ کی رضا کے حصول کے لئے لڑوں گا۔ پھر عکرمہ نے جس والہانہ انداز میں اپنے اس عہد کو نبھایا اور اللہ کی راہ میں جو جو قربانیاں پیش کیں اس پر تاریخ گواہ ہے۔ فَرَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ (1)

(1)۔ تاریخ الخمیس از شیخ حسین بن محمد جلد 2 صفحہ 92-91

ابوسفیان بھی شدید معاندین میں شامل تھے۔مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔جنگ بدر کے بعد وہ دوسو سواروں کے ساتھ چھپ کر آئے۔مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ ساز باز کی۔دو مسلمانوں کو قتل کیا اور بہت سے مویشی ہانک کر لے گئے۔پھر اُحد اور احزاب کی جنگیں انہی کی سرکردگی میں لڑی گئیں۔چونکہ یہ بڑے موقع شناس تھے اس لئے فتح مکہ کی مہم کے دوران جب انہوں نے محسوس کیا کہ اب بچاؤ کی کوئی صورت نہیں تو وہ حضرت عباسؓ کو ساتھ لے کر مرّ الظہران کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔گفتگو کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: اب بھی خدا کے سوا کسی اور معبود کو مانتے ہو؟ ابوسفیان نے جواب دیا: اگر خدا کے سوا یہ ہمارے بت بھی کوئی ''لاہوتی'' مقام رکھتے تو ہمارا یہ حال نہ ہوتا جو ہوا ہے۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: میرے رسول ہونے میں اب بھی کوئی شک باقی ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا: ابھی دل میں اطمینان نہیں۔آپؐ نے اس پر فرمایا: اچھا سوچو اور اطمینان کی راہیں تلاش کرو۔پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے اس تذبذب کے باوجود ان کے گھر کو پناہ گاہ قرار دیا اور اعلان کیا کہ جو شخص سردار مکہ ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا اُسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔

یہ تھے ہمارے رحیم و کریم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن کے عفو اور دَرگزر کے واقعات پر تاریخِ عالم حیرت زدہ ہے۔مکہ کے سرداروں اور عام لوگوں کے دل آپؐ نے اپنی سیرتِ طیبہ اور پاک اخلاق کے ذریعہ اس طرح موہ لئے کہ سالوں کی دشمنیاں پل بھر میں محبت اور فدائیت میں بدل گئیں اور بعد کے زمانہ میں اُنہی فدائیوں نے اسلام کی اشاعت اور دین کے استحکام کے لئے وہ وہ قربانیاں پیش کیں کہ تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔پس یہ کہنا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے کس قدر زیادتی ہے اور حقائق سے آنکھیں بند کرنا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ شاندار کامیابیاں حسنِ اخلاق اور للّٰہیت اور اُس

حکمتِ عملی کا ثمر شیریں تھیں جو اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ کے ارشادِ ربّانی پر مبنی تھی کہ اپنے ربّ کے راستہ کی طرف حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگزر کی یہ وہ چند مثالیں تھیں جو سالہا سال کے دشمنوں کے بارہ میں روا رکھا گیا۔ اپنوں کی غلطیاں معاف کرنے، محبت وشفقت، اُلفت و رأفت کے ساتھ ان کی تربیت کرنے اور تزکیہ نفس کے لئے کوشاں رہنے کے واقعات بھی کم نہیں۔ دنیادار کامیابی کے بعد اپنے ساتھیوں اور مددگاروں کے بارہ میں بعض اوقات بدظنی سے کام لیتا ہے اور ان کی ذراسی غلطی پر بھی شدید ردِّ عمل کا اظہار کرتا ہے اور اسے اپنے اقتدار کے استحکام کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ لیکن اس رویہ کے بالکل برعکس آنحضرت ﷺ کا اپنے صحابہؓ سے سلوک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سارے صحابہ آپؐ سے انتہا درجہ کی محبت کرتے تھے اور ہر وقت آپؐ پر فدا ہوجانے کے لئے تیار رہتے تھے۔ درگزر اور نیک تربیت کے ایسے سینکڑوں واقعات میں سے حسبِ گنجائش یہاں صرف ایک دو واقعات کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

غزوہ حنین کے بعد جو اموال غنیمت ملے وہ آپؐ نے تالیف قلب کی غرض سے اہلِ مکہ میں تقسیم کردیئے۔ بعض نوجوان انصار کو یہ بُرا لگا اور انہوں نے نامناسب رنگ میں اس کا اظہار کیا۔ (مثلاً یہ کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور ان کے ذریعہ حاصل شدہ اموال اپنے اہل شہر میں تقسیم ہو رہے ہیں۔ او کما قالوا) اس رنجش کی خبر آپؐ تک بھی پہنچی۔ آپؐ مختارِ کل تھے اپنے اقتدار کے استحکام کے لئے جو مناسب سمجھتے وہ کرسکتے تھے۔ اقتدار کے لحاظ سے آپؐ کو پورا عروج حاصل تھا۔ اہل مکہ آپؐ کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار تھے۔ آپؐ چاہتے تو ان چند نوجوان انصاریوں کو عبرتناک سزا دے

سکتے تھے جیسا کہ دنیاوی اقتدار والوں کا رویہ ہوتا ہے۔لیکن آپ ؐ کوئی دنیوی حاکم نہ تھے بلکہ ایک شفیق رحیم وکریم مصلح تھے۔آپ ؐ نے انصار کو بلایا اور کہا کہ یہ یہ باتیں مجھے بعض انصار کی طرف سے پہنچی ہیں کیا یہ سچ ہیں۔انصار نے جواب دیا ہاں یارسول اللہ بعض کے دل میں ایسی رنجش پیدا ہوئی ہے۔آپ ؐ نے بڑے درد کے ساتھ انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

اَلَمْ آتِکُمْ ضُلَّالًا فَھدَاکُمُ اللّٰہ وعَالَۃً فَاَغْنَاکُمُ اللّٰہ وَاَعْداءً فَالَّفَ اللّٰہُ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ۔

یعنی اے انصار! کیا جب مَیں تمہارے پاس آیا تم گمراہ نہ تھے؟ پھر میرے آنے کی برکت سے اللہ نے تم کو ہدایت دی اور سیدھی راہ دکھائی۔کیا تم نادار نہ تھے پھر اللہ نے تم کو مالدار بنایا اور تمہارے گھروں کو ہر قسم کے اموال سے بھر دیا۔کیا تم ایک دوسرے کے دشمن نہ تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈال دی۔اے انصار! بولو کیا یہ سب کچھ سچ نہیں ہے؟ انصار نے یک زبان ہوکر جواب دیا: یارسول اللہ بالکل یہ سچ ہے۔ آپؐ نے اس پر فرمایا: نہیں تم یہ بھی جواب دے سکتے ہو اور تمہارا جواب بالکل درست ہوگا کہ جِئتَنَا طَرِیْدًا فآوَیْنَاک وَعَائلًا فَآسَیْنَاکَ وَخائِفًا فَأَمَنَّاکَ وَمَخْذُولًا فَنصَرْنَاکَ۔یعنی آپ دھتکارے ہوئے ہمارے پاس آئے ہم نے آپ کو پناہ دی۔ بے کسی کی حالت میں آئے ہم آپ کے اپنے بنے اور ڈرے ہوئے آئے ہم نے آپ کو امان دی۔تمہارا کوئی مددگار نہ تھا سب نے آپ کو چھوڑ دیا تھا ہم نے آپ کی دل وجان سے مدد کی۔ہاں تم یہ جواب بھی دے سکتے ہو۔انصار چیخ اُٹھے اور ان میں شور پڑ گیا! یارسول اللہ! بس کیجئے ہم میں سے بعض سے کیسی نادانی ہوئی ہے۔آپ کے تو ہم پر لازوال احسان ہیں۔آپ پر تو ہماری جان فدا ہے۔

آپؐ نے پھر فرمایا: اے انصار! یہ دنیا کے اموال مَیں نے ان کو بے شک دیئے ہیں اور

تمہارے لئے آخرت کا ثواب اور اللہ کا فضل چھوڑا ہے۔ کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ یہ لوگ تو یہ دنیاوی اموال لے کر اپنے اپنے گھروں کو جائیں گے اور تم اللہ کے رسول کو اپنے گھر لے جاؤ گے۔ انصار کی آہ وزاری اور ندامت دیکھی نہ جاسکتی تھی۔ وہ پکار اُٹھے۔ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَرَسُوْلِہٖ قِسمًا۔ ہم اپنے مبارک نصیبہ پر خوش ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ہمارے حصے میں آئے۔ (1)

کتنی اپنائیت، کتنی حکمت اور کتنی دانائی کے ساتھ انصار کو ان کی غلط سوچ کی طرف توجہ دلائی اور ان کے دلوں کو ہمیشہ کے لئے اپنا گرویدہ بنایا۔ یہ تھے آپؐ کے اخلاق اور یہ تھے تزکیہ نفس کے گُر۔

2۔ عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین تھا۔ اس کی ایذا رسانی کے واقعات کا قرآن کریم نے بھی ذکر کیا ہے (سورۃ المنافقون) لیکن آپؐ نے ہمیشہ درگذر سے کام لیا۔ اس لئے کہ اس نے کلمۂ شہادت پڑھا تھا اور اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا تھا۔ ایک دفعہ اُس کے لڑکے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ وہ اپنے باپ کو اُس کی گستاخیوں کی سزا دینا چاہتے ہیں اور اُس کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں مَیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا بعد میں تاریخ والے لکھیں گے کہ یہ نبی اپنے ساتھیوں کو قتل بھی کر دیتا تھا۔ جب عبداللہ بن اُبی فوت ہوا تو کفن کے لئے اپنی قمیص بھجوائی اور اس کے لڑکے کی ہر طرح سے دلداری کی۔ (2)

(1)۔ (مسند احمد بن حنبل 4 صفحہ 406-407 مسند انس بن مالک حدیث نمبر 12635 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 1998ء)۔ (تاریخ الرسل والملوک.... المعروف تاریخ الطبری از امام جعفر بن جریر الطبری جلد 2 باب ذکر اموال ھوازن صفحہ 192 مطبع دار ابن کثیر بیروت 2001ء)۔ (البدایۃ والنہایۃ از ابن کثیر دمشقی جز و 4 صفحہ 383 تا 387 فصل فی مرجعہ علیہ السلام من الطائف......دار الکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

(2)۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر، سورۃ براءۃ، باب قولہ استغفر لہم او لاتستغفر لہم ......حدیث نمبر 4670)۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 672 طلب ابن عبداللہ بن ابی ان یتولی قتل ابیہ...... مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2001ء بھی دیکھیں)

یہ تھے ہمارے رسولِ کریم کے اخلاق اور اقتدار میں آجانے کے بعد مساوات، اپنائیت اور ہر قسم کے تظلّم اور اقتدار کے نشہ سے بچے رہنے کے واقعات جو ایک اور ایک دو کی طرح اس اُصول کی سچائی کے گواہ ہیں کہ اسلام حکمت و موعظت ، دلیل و برہان، تبلیغ و تلقین اور ذاتی نمونہ، اعلیٰ اخلاق اور جذبہٴ خدمت اور عوام کی بہبود کو مدِّ نظر رکھنے سے پھیلا ہے۔اس میں تلوار کا کوئی عمل دخل نہیں اور نہ اس غرض کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا کبھی مدِّ نظر رہا ہے۔

اَلظَّالِمُوْنَ بِظُلْمِھِم قَدْ کَذَّبُوہ تمرُّدًا(1)

ظالم محض از راہِ ظلم اپنی سرکشی کے سبب آپؐ کی تکذیب کے مرتکب ہو گئے۔

اسلام حجت و برہان کا مذہب ہے۔اُسے اپنی اشاعت کے لئے نہ کبھی تلوار کی ضرورت پڑی نہ اس کا وہ کبھی روادار رہا ہے اور نہ کسی کو اُس نے تلوار کے ذریعہ اُس کے دین سے برگشتہ کیا اور نہ بزورِ شمشیر کسی کو روکا ہے کہ وہ اسلام کو نہ چھوڑے۔

اسلام نے اگر تلوار استعمال کی تو صرف دفاع کے طور پر اور جارحیت کو روکنے کے لئے کی کیونکہ مخالف صرف لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ کہنے پر اور توحید کا پرچار کرنے پر ظلم و ستم ڈھا رہا تھا اور مسلمانوں کو کسی لمحے بھی چین سے نہ بیٹھنے دیتا تھا۔ہر قسم کی مذہبی آزادی اُس نے سلب کر لی تھی اسی جارحیت کو روکنے کے لئے آپؐ کو تلوار کا جواب تلوار سے دینے کی اجازت ملی۔ (سورۃ الحج:39)

چنانچہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’آپؐ نے کبھی اشاعت مذہب کے لئے تلوار نہیں اُٹھائی۔جب آپؐ پر اور آپؐ کی جماعت پر مخالفوں کے ظلم انتہا تک پہنچ گئے اور آپؐ کے مخلص خدام میں سے مردوں اور

(1)۔کرامات الصادقین روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 70

عورتوں کو شہید کر دیا گیا اور پھر مدینہ تک آپؐ کا تعاقب کیا گیا اس وقت مقابلہ کا حکم ملا...... جو جاہل مسلمان کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے وہ نبی معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افترا کرتے ہیں اور اسلام کی ہتک کرتے ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ اسلام ہمیشہ اپنی پاک تعلیم اور ہدایت اور اس کے ثمرات، انوار و برکات اور معجزات سے پھیلا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان نشانات آپؐ کے اخلاق کی پاک تاثیرات نے اُسے پھیلایا ہے۔"(1)

پھر فرمایا:

"مسلمانوں کے تمام جنگ اور کفار کے ساتھ تمام سلوک دفاعی رنگ میں ہیں۔ ابتداء ہرگز ہرگز مسلمانوں نے کبھی نہیں کی۔"(2)

دارالحرب اور جہاد بالسیف کے اس دوسرے نظریہ کے بارہ میں 1953ء کے فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ:۔

"احمدیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کی کوئی آیت کسی دوسری آیت کو منسوخ نہیں کرتی اور دونوں قسم کی آیات یعنی مکی آیات (3) اور سورۃ توبہ کی متعلقہ آیات کے دائرے مختلف ہیں۔ چنانچہ وہ پہلو بہ پہلو چل سکتی ہیں۔ احمدیوں کی طرف سے یہ استدلال پیش کیا جاتا ہے کہ ناسخ و منسوخ کا عقیدہ اس عقیدے کے منافی ہے کہ قرآن مجید لوح محفوظ میں تمام وکمال موجود ہے...... اس عقیدے کا تیسرا نتیجہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس سے اس دعویٰ کی جڑ کٹ جاتی ہے کہ اسلام کے قوانین ناقابلِ تغیر اور بے لچک ہیں کیوں کہ اگر بدلے ہوئے حالات کی

(1)۔ ملفوظات جلد 4 صفحہ 547-548۔ ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ۔

(2)۔ (ملفوظات جلد 5 صفحہ 470۔ ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ، ملفوظات جلد 9 صفحہ 366 مطبوعہ ربوہ بھی دیکھیئے

(3)۔ ایسی مدنی آیات بھی موجود ہیں جن میں جنگ میں پہل نہ کرنے کا حکم ہے اور صرف اسی صورت میں مقابلہ کی اجازت ہے جبکہ مخالف غیر مسلم حملہ کریں اور غیر جارح غیر مسلموں سے میل جول اور حسن سلوک کی اجازت دی گئی ہے۔ دیکھیں سورۃ البقرۃ آیت 195، الشوریٰ آیت 40، النساء آیت 95، الممتحنہ آیت 9-10۔

وجہ سے ایک نیا الہام ضروری ہو جاتا ہے تو الہام کی تکمیل کے بعد حالات میں جو تغیرات ہوں گے وہ زیادہ تر الہامات کو بیکار اور متروک بنا دیں گے۔......''

تحقیقاتی عدالت آگے چل کر مزید لکھتی ہے:۔

''مکی سورتوں ☆ کی مندرجہ ذیل آیات میں وہ بلند ترین اور پاکیزہ اُصول پیش کیا گیا ہے جس کا دھندلا سا تصوّر اب کہیں جا کر بین الاقوامی قانون دانوں کو نظر آنے لگا ہے۔لیکن ہم برابر یہی تلقین کر رہے ہیں کہ جارحیت اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔''(1)

''سورۃ البقرۃ: آیات 191،194

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِينَ ۝

ترجمہ۔اور تم لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور حد سے نہ نکلو۔واقعی اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور اُن کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ فساد باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے اور اگر وہ لوگ باز آجائیں تو سختی کسی پر نہیں ہو سکتی سوائے بے انصافی کرنے والوں کے۔

سورۃ الحج:39-40''(2)

''اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرُ ۝ الَّذِينَ اُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُولُوا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا وَّلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهُ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝

ترجمہ۔اُن لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے جن سے لڑائی کی گئی کیوں کہ اُن پر ظلم کیا گیا اور یقیناً اللہ ان کو غالب کر دینے کی قدرت رکھتا ہے۔

(1)۔جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ دراصل مدنی آیات ہیں۔

(2)۔یہ بھی مدنی سورت ہے۔

جو اپنے گھروں سے بلاوجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا ربّ اللہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک کا دوسرے سے زور نہ گھٹا تا رہتا تو صومع، خلوت خانے، عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے۔ بے شک اللہ اُس کی مدد کرے گا جو اُس کی مدد کرے گا۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبے والا ہے۔‘‘(1)

غیر مسلموں سے سوشل تعلقات کے بارہ میں اسلامی تعلیم

ایک مسلمان کے ایک غیر مسلم کے ساتھ کس قسم کے سوشل تعلقات ہوں یا ایک مسلمان حکومت کے ایک غیر مسلم حکومت کے ساتھ کس قسم کے سیاسی، اقتصادی اور تجارتی تعلقات ہوں اس بارہ میں مندرجہ ذیل آیات رہنما اُصول پیش کرتی ہیں۔ فرمایا:۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَo اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَo (سورة الممتحنه:9-10)

یعنی اللہ اُن لوگوں سے حسنِ سلوک کرنے اور عدل و انصاف پر مبنی اچھے تعلقات رکھنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے دین میں (اختلاف کی بنا پر) تم سے جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ اللہ انصاف پسندوں سے محبت (کا سلوک) کرتا ہے۔ ہاں تمہیں ان لوگوں سے دوستانہ (تعلقات رکھنے) سے منع کرتا ہے جو صرف دین میں (اختلاف رکھنے کی وجہ سے) تم سے لڑتے ہیں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالتے ہیں اور تمہارے نکالنے میں (دوسروں کی) مدد کرتے ہیں اور جو (مسلمان) ایسے لوگوں سے

(1)۔ منیر انکوائری رپوٹ صفحہ 349 تا 351 مطبوعہ نیاز مانہ پبلیکیشنز لاہور

دوستانہ (تعلقات) رکھیں گے وہ بڑے ظالم ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے اپنے غیر مسلم عوام سے تعلقات انہیں الٰہی ہدایات پر مبنی تھے (عوامی ملّا کا مشورہ اس کے بالکل برعکس ہے)۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کی آزادی، رائے کی آزادی اور تبلیغ کی آزادی کے سوال پر ہی کفار سے جنگیں لڑیں۔آپ کا مطالبہ یہ تھا کہ ہر انسان کو یہ حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ جو مذہب چاہے رکھے یا اُس کی تبلیغ کرے لیکن مخالف کفار آپ کے اس مطالبے کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس وجہ سے مسلمانوں پر ظلم کرتے اور اُن پر حملے کرتے۔اس صورت حال کو تبدیل کرنے اور کفار کے حملے روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو مقابلہ کی اجازت ملی۔اس کے نتیجہ میں جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتوحات سے نوازا اور اقتدار بخشا تو غیر مسلم پبلک کے دل میں طبعی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ اب ان کا کیا بنے گا اور ان سے کیا سلوک روا رکھا جائے گا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس سوال کا جو جواب دیا گیا تاریخ نے اُسے محفوظ کیا ہے۔آپ نے فرمایا **لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ...... اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ** کہ جاؤ تم آزاد ہو تم پر کوئی گرفت نہیں اور نہ کوئی سزا ہے۔(1)

ایک اور موقع پر فرمایا کہ **اِنّما بَذَلُوا الْجِزْیَةَ لتکون دِمائهم کدمائنا واموالُهم کاَموالِنا**۔(2)

یعنی وہ غیر مسلم جو اسلامی حکومت میں رہ رہے ہیں اور حکومت کے ٹیکس باقاعدہ ادا کر رہے ہیں ان کے خون ہمارے خونوں کی طرح (محترم) ہیں اور ان کے اموال (کو)

(1)۔(شرح العلامۃ الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ از علامہ حافظ شہاب الدین قسطلانی جلد 3 صفحہ 449 باب غزوۃ الفتح الاعظم، مطبع دار الکتب العلمیۃ بیروت 1996ء)

(2)۔(نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ از علامہ جمال الدین زیلعی صفحہ 381 کتاب السیر باب کیفیۃ القتال، مطبوعہ المکتبۃ المکیۃ)

ہمارے اموال کی طرح (قانونی تحفظات حاصل ہیں)۔

حجۃ الوداع کے ایک خطبہ میں آپؐ نے فرمایا: اے لوگو! جس طرح تمہارا یہ حج کا دن، یہ حج کا مہینہ اور یہ شہر یعنی مکہ مقدس اور محترم ہیں اسی طرح تمہاری جانیں، تمہارے مال اور تمہاری آبرو بھی مقدس محترم ہیں (اور ان کو ہر قسم کا قانونی تحفظ حاصل ہے)۔ (1)

کتب احادیث اور تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے اخلاق اور سیرت طیبہ دیکھ کر کئی غیر مسلم مسلمان ہوگئے اور آپ کے صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔

قبائل یمامہ کے ایک سردار ثمامہ بن اُثال نے کئی جنگوں میں مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا تھا اور بہت سے مجاہدین کو شہید کیا تھا آخر وہ ایک جنگ میں پکڑا گیا۔ وہ ایک ''جنگی مجرم'' تھا۔ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ آپؐ نے اُسے مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ بندھوا دیا۔ مقصد یہ تھا کہ مسجد میں ذکرِ الٰہی اور عبادت کی غرض سے آنے والے مسلمانوں کو وہ دیکھ سکے اور سوچنے کا اُسے موقع ملے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اور ثمامہ کے پاس سے گزرتے تو آپؐ اس سے پوچھتے: ثمامہ بتاؤ! تمہیں کیا سزا دی جائے۔ ثمامہ جواب دیتا اپنے قصوروں کو مانتا ہوں ان کی سزا میں اگر آپ مجھے قتل کی سزا دیں تو اس کا مستحق ہوں۔ اگر معاف کریں تو مجھے آپ احسان فراموش نہیں پائیں گے۔ کئی بار اس قسم کے سوال و جواب ہوئے، کچھ دنوں کے بعد آپؐ نے ثمامہ کو رہا کر دیا۔ ثمامہ رہائی کے بعد ایک کنویں پر گیا۔ وہاں نہایا اور واپس مسجد میں آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی عرض کیا کہ خدا کی قسم پہلے روئے زمین پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مجھے مبغوض لگتے تھے۔ لیکن

(1)۔(صحیح بخاری کتاب الحج باب الخطبۃ ایام منیٰ حدیث:1739)

میں نے مسجد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے جاتے دیکھا ہے۔ مسلمانوں سے بھی باتیں کیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق نے مجھے گرویدہ بنالیا ہے۔ قید کے دنوں میں ہی میری حالت بدل گئی تھی اور مَیں دل سے مسلمان ہو چکا تھا لیکن اس کا اظہار اس لئے نہیں کیا تھا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ڈر کے مارے مَیں اسلام قبول کر رہا ہوں۔ بعد میں ثمامہ نے اسلام کی خدمت کے کئی کارنامے سرانجام دیئے۔ (1)

ہجرت سے قبل ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں گئے اور کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ سے کہا کہ اگر آپ مجھے کعبہ کے دروازہ کی چابی دے سکیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ مَیں اندر سے کعبہ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ عثمان نے نہایت تکبر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استدعا کو ٹھکرا دیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دن آئے گا یہ کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور مَیں جسے چاہوں گا دوں گا۔ عثمان اس پر بگڑا اور کہا خدا ایسا دن کبھی نہیں لائے گا۔ کیا اس دن قریش کے تمام بہادر ذلیل اور رسوا ہو چکے ہوں گے۔

فتح مکہ کے روز آپؐ مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور عثمان کو بلایا۔ عثمان لرزاں ترساں حاضرِ خدمت ہوا۔ اُسے اپنے وہ بول یاد آرہے تھے جو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کہے تھے۔ لیکن رحیم وکریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی نرمی اور رافت سے فرمایا: عثمان آج انتقام اور غصہ نکالنے کا دن نہیں۔ نیکی، احسان اور اسلامی اخلاق کے اظہار کا دن ہے۔ جاؤ تمہیں معافی دی جاتی ہے اور کعبہ مکرمہ کی چابیاں بھی تمہارے حوالے کی جاتی ہیں۔ جو شخص تم یا تمہارے خاندان سے یہ چابیاں چھینے گا وہ بڑا ظالم سمجھا جائے گا۔ (2)

(1)۔ مختصر صحیح بخاری یعنی تجرید بخاری از امام زین الدین صفحہ 651-650 کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفۃ وحدیث ثمامۃ بن اثال حدیث نمبر 1575 اردو ترجمہ از مولانا ظہور الباری مطبوعہ دارالاشاعت کراچی 2007ء۔

(2)۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد جزء ثانی صفحہ 318 غزوۃ رسول اللہ ﷺ عام الفتح، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 1996ء۔

فتح خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو اہلِ خیبر سے واجبات وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ نصف بٹائی کا معاہدہ تھا۔ فصل تیار ہونے پر جب بھی عبداللہ بن رواحہؓ خیبر جاتے تو اہلِ خیبر سے کہتے فصل کا اندازہ کرنا ہے یا تم نصف نصف کا اندازہ پیش کرو اور مجھے حق دیدو کہ جو نصف مَیں چاہوں لے لوں یا مَیں اندازہ لگاتا ہوں اور تم جو نصف چاہو چن لو۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اس منصفانہ فیصلہ پر خیبر کے یہودی پکار اُٹھے بھٰذا قَامَتِ السَّماوَاتُ وَالْاَرْضُ ۔ خدا کی قسم ایسے ہی عدل کی وجہ سے آسمان وزمین قائم ہیں (یعنی حکومتیں عدل وانصاف کے ستونوں پر کھڑی ہوتی ہیں)۔ (1)

جزیرہ عرب کے اطراف میں قیصر وکسریٰ کی حکومتیں قائم تھیں اور وہ عرب میں اپنے اپنے حلقہائے اثر رکھتی تھیں اور اس کے نفوذ اور اس کے استحکام کے لئے وہ برابر کوشش کرتی رہتی تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں اقتدار اور استقلال بخشا تو قیصر وکسریٰ کی حکومتوں کو یہ نیا اُبھرتا ہوا اقتدار ایک آنکھ نہ بھایا اور آپ کے خلاف ریشہ دوانیوں اور سازشوں میں مصروف ہوگئیں اور جارحیت کے لئے تیاری کرنے لگیں۔ یہ حالات تھے کہ عرب کی اسلامی حکومت کا ان حکومتوں سے مقابلے اور مناقشے کا آغاز ہوا اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں باقاعدہ جنگیں شروع ہوگئیں۔ ان جنگوں میں جو علاقے فتح ہوئے ان میں حمص (شام) کا علاقہ بھی تھا۔ جیسا کے جنگوں میں ہوا کرتا ہے۔ حالات کے مطابق فوجیں آگے بھی بڑھتی ہیں اور پیچھے بھی ہٹتی ہیں۔ ایک موقع ایسا آیا کہ مسلمانوں کو حمص کا علاقہ خالی کرنا پڑا یہاں کے لوگ اپنی پرانی حکومتوں کے بہت زیادہ ستائے ہوئے تھے اور مسلمانوں کے اقتدار کی وجہ سے ان کو امن وامان اور چین

(1)۔ فتوح البلدان از احمد بن یحییٰ بلاذری صفحہ 24 غزوہ خیبر، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2000ء

نصیب ہوا تھا اور وہ نئی حکومت کی وجہ سے بہت خوش تھے۔ جب مسلم فوجوں کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے دشمن کے دباؤ کی وجہ سے یہ علاقہ خالی کرنا ضروری سمجھا تو آپ نے اپنے افسر خزانہ کو ہدایت کی کہ اس علاقے کے لوگوں سے جو واجبات وصول کئے گئے ہیں وہ انہیں واپس کر دیئے جائیں کیونکہ یہ اس علاقہ کے نظم و نسق اور یہاں کی پبلک کے تحفظ کی غرض سے وصول کئے گئے ہیں۔ اب پیچھے ہٹنے کی وجہ سے ہم یہ فرائض ادا نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان واجبات کی واپسی ضروری ہے۔ چنانچہ سب اموال جن کی مالیت ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ ستر ہزار دینار تھی واپس کر دیئے گئے۔ مسلمانوں کے اس حسن سلوک کا اہل حمص نے جو جواب دیا تاریخ کے صفحات نے محفوظ کیا ہے اور اُس کا ترجمہ یہ ہے:

ہم اپنے مذہب والوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ نہ جان محفوظ تھی اور نہ مال۔ ان حالات میں تم آئے۔ تمہاری حکومت اور تمہارے عدل نے ہمیں اپنا گرویدہ بنا لیا۔ تم ہمیں وصول شدہ رقم واپس کر رہے ہو۔ ہمارے ہم مذہبوں کے لئے اگر ایسا موقع آتا تو وصول شدہ مال کی واپسی تو کیا ہمارے پاس جو کچھ بچ رہا ہے وہ بھی وہ لُوٹ کر لے جاتے۔

ان علاقوں کے باشندوں نے قسمیں کھائیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہو کر لڑیں گے۔ ہرقل کی فوجیں ان علاقوں میں نہیں لڑ سکیں گی۔ چنانچہ یہ سارا علاقہ رومیوں کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا اور مسلمانوں کو موقع مل گیا کہ وہ دوبارہ اس علاقہ پر قبضہ کر لیں۔ جب مسلمان فوجوں کی واپسی ہوئی تو وہاں کے باشندوں نے استقبالیہ جلوس نکالے۔ اپنے رسم و رواج کے مطابق رقص و سرود کے مظاہرے کئے۔ اور مسلمانوں کے اقتدار کو رحمت الٰہی سمجھا۔ (1)

(1)۔(مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ از محمد حمید اللہ صفحہ 470 کتاب ابی عبیدۃ الی عمر مخبرا بتخلیۃ حمص ...... مطبوعہ دار النفائس بیروت 1985ء)۔(کتاب الخراج از ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم جلد 2 صفحہ 42 فصل فی ارض الشام والجزیرۃ مطبع مطبوعہ بولاق 1302 ہجری)۔(فتوح البلدان از احمد بن یحییٰ بلاذری صفحہ 88-87 صلح نجران۔ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2000ء)۔

صحابہؓ کے دور میں جو علاقے فتح ہوئے ان میں ''عانات'' کا علاقہ بھی تھا۔ اہل عانات کا جو معاہدہ حضرت خالد بن ولیدؓ سے ہوا۔ اس کا ایک حصہ یوں تھا۔

''عَلٰی اَنْ لَّا یُھْدَم لَھُمْ بِیعَۃٌ وَلَا کَنِیْسَۃٌ وَ عَلٰی اَنْ یَّضرِبُوْا نَوَاقِیْسَھم فِی اَیِّ سَاعَۃٍ شَائُوْا مِنْ لَیْلٍ اَوْ نَھَارٍ اِلَّا فِیْ اَوْقَاتِ الصَّلَوَاتِ وَعَلٰی اَن یُّخرِجُوْا الصُّلْبَانَ فِیْ اَیامِ عِیْدِھم۔''(1)

یعنی یہ معاہدہ ان شرائط پر طے پایا ہے کہ عانات کے علاقہ کے باشندوں کی خانقاہیں اور گرجے محفوظ رہیں گے۔ انہیں گرایا نہیں جائے گا اور ان باشندوں کو حق ہوگا کہ دن یا رات کے وقت جب چاہیں عبادت کی غرض سے اپنے ناقوس (گھنٹے) بجائیں۔ ہاں نماز کے اوقات میں وہ ایسا نہ کریں کہ یہ مسلمانوں کی عبادت کا وقت ہے۔ ان باشندوں کو عید کے دنوں میں ''صلیبوں'' کا جلوس نکالنے کا بھی حق ہوگا۔

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے مختلف قبائل کی طرف تبلیغی وفود بھیجے۔ ایک وفد کے قائد خالد بن ولیدؓ تھے۔ روانگی کے وقت انہیں ہدایت فرمائی۔ اَبْعَثُکَ دَاعِیًا، لَا مُقَاتِلًا کہ مَیں تجھے اسلام کی دعوت دینے اور تبلیغ کرنے کے لئے بھیج رہا ہوں جنگ کرنے اور لڑنے کے لئے نہیں بھیج رہا۔ خالد ایک عسکری قائد تھے۔ طبیعت میں جوش تھا۔ ایک جگہ گفتگو کے دوران کسی قبیلہ کے ساتھ جھگڑا ہو گیا اور بات بڑھ گئی اور خالد کے ہاتھ سے کچھ لوگ قتل ہو گئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپؐ سخت ناراض ہوئے وَقَامَ مُستَقْبِلًا الْقِبْلَۃَ رَافِعًا یَدَیْہِ و مُعْتَذِرًا اِلَی اللّٰہِ بِقَوْلِہٖ: اَللّٰھُمَّ اِنّی اَبْرَأُ اِلَیکَ مِمَّا صنع خَالِدٌ۔ ثُمَّ اَرْسَلَ عَلِیًّا فَوَدٰی لَھُمْ دِمَآءَ ھُمْ واموالھم۔(1)

(1)۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ از محمد حمید اللہ صفحہ 387 کتاب خالد لبلاد عانات، مطبوعہ دار النفائس بیروت 1985ء۔
(2)۔ رجال حول الرسول ﷺ از خالد محمد خالد صفحہ 243 خالد بن ولید، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2003ء۔

یعنی آپ شدت رنج کی وجہ سے کھڑے ہو گئے۔قبلہ کی طرف منہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور معذرت پیش کرتے ہوئے کہا: اے میرے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا ہے میں تیرے حضور اس سے براءت کا اظہار کرتا ہوں یعنی مَیں نے خالد کو اس کا ہرگز حکم نہیں دیا تھا۔ پھر آپؐ نے علیؓ کو اس قبیلہ میں بھیجا کہ قبیلہ کے نقصان کے تدارک کے لئے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے اور ان کے اموال کا معاوضہ دیا جائے۔

اس قسم کی سخت ہدایات ہی کی وجہ سے حضرت خالدؓ نے بعد میں اپنی فوجوں کو حکم دے رکھا تھا کہ عام کسانوں کو کچھ نہ کہا جائے ان سے تعرض نہ کیا جائے تا کہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہیں۔آپؐ کی ہدایت کے عربی الفاظ یہ ہیں۔

لَا تَتَعَرَّضُوا لِلْفَلَّاحِين بسُوءٍ، دعُوُهُم فِي شُغلِهِمُ آمنين۔(1)

پس ارباب فہم و دانش خود فیصلہ کریں کہ قرآن کریم کے یہ ارشادات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسوۂ حسنہ اور آپؐ کے صحابہؓ کی یہ سنّت واجب التعمیل اور اسلام کا دستور العمل ہے یا ''فقہاء'' کی یہ ہدایت کہ مشرکوں کو جہاں بھی پاؤ قتل کردو۔ یا غیر مسلم ممالک طبعاً دارالحرب ہیں اس لئے ان سے برسرِ پیکار رہنا مسلمانوں کی حکومت کا فرض ہے یا ذمہ رعایا کو ذلیل وخوار کرنا اور ان سے توہین آمیز سلوک روا رکھنا اسلامی سیاست کا حصہ ہے۔اور مولانا مودودی کا یہ بیان کیوں کر لائق تقلید ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ تبلیغی کوششیں بیکار اور رائیگاں گئیں اور جب آپؐ نے تلوار اپنے ہاتھ میں لی تو غیر مسلموں کی اکڑی ہوئی گردنیں اسلامی اقتدار کے سامنے جھک گئیں اور ان کے دل پاک و صاف ہو گئے؟

بہ بیں تفاوت راہ از کجا تا بہ کجا

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(1)۔رجال حول الرسول ﷺ از خالد محمد خالد صفحہ 235 خالد بن ولید، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2003ء۔